ماہ نامہ

ہمدرد

نونہال

ستمبر ۱۹۸۸

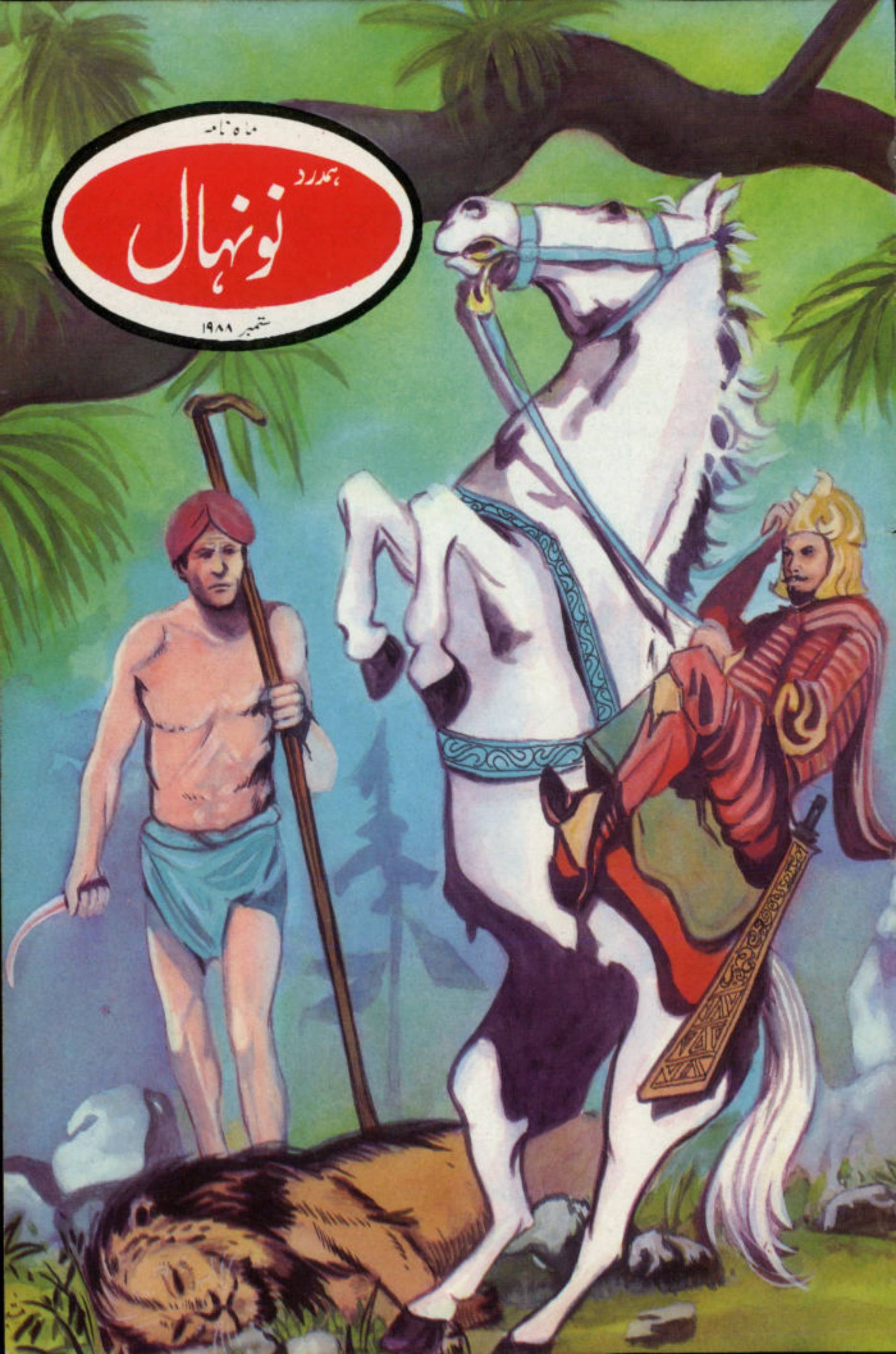

نئی کارمینا

نظامِ ہضم کی اصلاح کے لیے زیادہ پُرتاثیر

ہمدرد کی تجربہ گاہوں میں ایک مدت سے عالمی شہرت یافتہ کارمینا کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے تحقیق جاری تھی تاکہ اسے دورِ جدید کے انسان کی ضروریات سے ہم آہنگ رکھا جائے۔ نئی کارمینا اسی تحقیقی عمل کا ماحصل ہے۔ پودینے کے جوہر اور دیگر مفید اجزا کی شمولیت نے نئی کارمینا کو زیادہ قوی اور زود اثر بنا دیا ہے۔

نئی کارمینا نظامِ ہضم کو درست رکھنے میں اب پہلے سے ومعاون ہے۔ خرابیٔ ہضم کی شکایات مثلاً بدہضمی، قبض، گیس، دردِ شکم اور بھوک کی کمی وغیرہ کے لیے اس کی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔

دردِ شکم میں نئی کارمینا کی دو ٹکیاں نیم گرم پانی کے ساتھ استعمال کریں۔

بدہضمی، قے یا متلی کی شکایت میں نئی کارمینا کی دو ٹکیاں چوسیں۔

نئی کارمینا کی دو سے چار ٹکیاں باقاعدگی کے ساتھ رات کو سوتے وقت نیم گرم پانی سے استعمال کی جائیں تو دائمی قبض سے نجات مل جاتی ہے۔

بھوک کی کمی کی شکایت میں صبح ناشتے سے پہلے، دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل نئی کارمینا کی دو ٹکیاں چوسیے۔

بچوں کو حسبِ عمر آدھی یا ایک ٹکیہ نئی کارمینا دیجیے۔

خوش ذائقہ

نئی کارمینا

ہر گھر کی اہم ضرورت

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

Adarts

فون: 616001 سے 616005 (پانچ لائنیں)

مجلسِ ادارت

صدرِ مجلس

حکیم محمد سعید

مدیرِ اعلا

مسعود احمد برکاتی

مدیرۂ اعزازی

سعدیہ راشد

رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

محرم الحرام	۱۴۰۹ ہجری
ستمبر	۱۹۸۸ء
جلد	۳۶
شمارہ	۹
فی شمارہ	۵ رُپے
سالانہ	۵۵ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے)	۹۱ رُپے

ISSN 0259 - 3734

ہمدرد

نونہال

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

پتا: ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ
ناظم آباد، کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا ہے

۳	جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید
۴	پہلی بات	مسعود احمد برکاتی
۵	نونہال بڑوں کی نظر میں	ادارہ
۶	خیال کے پھول	ننھے گل چیں
۷	سرسید (نظم)	جناب طاہر احمر
۹	عبداللہ دو چادروں والے	جناب طالب ہاشمی
۱۳	خوب صورت اشعار	احمد خان خلیل
۱۵	پاکستان	محتشم الحسن
۱۷	طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید
۲۱	ماں (نظم)	جناب غنی دہلوی
۲۲	کارٹون	جناب مشتاق
۲۳	تحفے	باذوق نونہال
۲۷	میرا بچپن	پروفیسر مجتبیٰ حسین
۳۰	اللہ میری توبہ	شہناز پروین

- زبان کا زخم، شفیق بدر ۳۷
- عقل مند کسان، محمد مقبول الٰہی ۳۹
- سو برس کی نانی، مصطفٰے چاند ۴۲
- ہمدرد انسائکلوپیڈیا، جناب علی ناصر زیدی ۵۱
- بزم ہمدرد نونہال، جناب مرزا ظفر بیگ ۵۵
- ہمارے قائدِ اعظم، محمد اقبال ۶۳
- معلومات عامہ ۲۷۹، ادارہ ۶۵
- اسفنجوں کی دنیا، جناب ڈاکٹر منظور احمد ۶۷
- علامہ دانش کا اغوا، جناب معراج ۷۱
- اخبارِ نونہال، ننھے صحافی ۸۱
- مسکراتے رہو، ننھے مزاح نگار ۸۳
- نونہال مصور، ننھے آرٹسٹ ۸۶
- نونہال ادیب، ننھے لکھنے والے ۸۷
- قارئین کی عدالت، نونہال پڑھنے والے ۱۰۳
- معلومات عامہ ۲۷۶ کے جوابات، ادارہ ۱۰۹
- اس شمارے کے مشکل الفاظ، ادارہ ۱۱۲

جاگو جگاؤ

اپنے گھر کی حفاظت کرنا، اس کی دیکھ بھال کرنا، اس کو سجانا اور سنوارنا ہر شخص کا فرض ہے بلکہ اس کی اولین ذمّے داری ہے۔ گھر کی حفاظت کا پورا انتظام کرنے کے بعد آدمی کتنے سکون سے رہتا ہے۔ اُسے باہر سے آنے والے خطروں کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ گھر کی باہر سے حفاظت کرنے سے پہلے یہ بے حد ضروری ہے کہ اس کو اندر سے بھی مضبوط بنایا جائے۔ جب گھر اندر سے محفوظ ہوتا ہے تو گھر والے بے فکری سے سوتے ہیں

اپنے وطن یا گھر کے اندر کی حفاظت، گھر کے اندر کی دیکھ بھال اور گھر کے اندر امن چین قائم کرنے کے لیے اتحاد کی ضرورت ہے۔ ایک دوسرے سے محبّت کرنے کی ضرورت ہے، ایک دوسرے کا احترام کرنے کی ضرورت ہے اپنے فائدے پر دوسرے کے فائدے کو ترجیح دینے کی ضرورت ہے۔ جب ہم یہ سب کریں گے۔ سارا گھر خوش اور خوش حال ہوگا اور محفوظ ہو جائے گا اور باہر کے کسی آدمی کی اتنی ہمّت نہیں ہوگی کہ وہ اس گھر میں داخل ہو سکے۔

ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ پہلے اپنے گھروں کے اندر امن چین قائم کیا۔ جب امن ہوتا ہے تو کسی کی کبھی اتنی جرات نہیں ہوتی کہ وہ ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھ سکے۔ یہ مہینہ ہمارے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے اور ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہمارے بہادروں اور جوانوں نے مشکل وقت میں کس طرح اپنے گھر، اپنے وطن کی حفاظت کی تھی۔ کس طرح اپنا دفاع کیا تھا۔ ان کے سُنہری کارنامے تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے گئے ہیں۔ اور یہ ہمیشہ یاد دلاتے رہیں گے کہ وطن کی حفاظت کس طرح کی جاتی ہے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

ابھی تک خاص نمبر کے بارے میں آنے والے خطوں کا سلسلہ جاری ہے۔ نونہالوں نے خاص نمبر بہت پسند کیا اس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ یہ نونہالوں کی محبّت اور لگن ہی ہے جو ہمیں زیادہ محنت کرنے پر اُکساتی ہے۔
اچھا بھئی! اب ایک خاص بات یہ ہے کہ علّامہ دانش کے سفر نامے کے سلسلے کی آخری کہانی اس شمارے میں آپ پڑھیں گے۔ اس کے بعد جلد ہی ہم نئی سلسلے وار کہانی شروع کریں گے بعض نونہال اپنی تحریر شائع نہ ہوتے پر ناراض ہوتے ہیں، مایوس ہوتے ہیں اور ہم سے بدظن ہوتے ہیں کہ چوں کہ ہماری اُن سے رشتے داری نہیں ہے یا دوستی نہیں ہے، اس لیے ہم اُن کی تحریریں شائع نہیں کرتے۔ حال آنکہ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ ہم ہر اچھی تحریر کے دوست ہیں، چاہے وہ کسی کی بھی لکھی ہوئی ہو۔ اس لیے اچھی تحریر لکھیے، چاہے دیر ہو جائے، مگر چھپے گی۔
اور ہاں آپ کے اسکولوں کی چھٹیاں تو اب ختم ہو گئی ہیں۔ اب اپنی پڑھائی پر زیادہ توجہ کیجیے تاکہ سالانہ امتحان میں آپ کام یاب ہو سکیں۔
بعض نونہال ہمیں کوئی تحریر بھیجتے ہیں تو اس پر اپنا نام پتا نہیں لکھتے۔ اگر وہ قابل اشاعت ہوتی ہے تو منتخب ہو جاتی ہے ورنہ ناقابلِ اشاعت سمجھی جاتی ہے۔ اگر انھوں نے پتا لکھا ہے تو وہ واپس بھیج دی جاتی ہے۔ اس میں کچھ وقت ضرور لگ جاتا ہے۔ نونہال تحریر بھیجنے کے بعد جلدی نہ کریں اور پریشان نہ ہوں اُن کی تحریر اگر صاف اور کاغذ کے ایک طرف لکھی ہوئی ہے تو یا تو وہ شائع کرنے کے لیے رکھ لی جائے گی یا ڈاک سے واپس کر دی جائے گی۔

ہر تحریر الگ کاغذ پر اور کاغذ کے صرف ایک طرف لکھیں۔ بات یہ ہے جب آپ کی تحریر کتابت کے لیے دی جاتی ہے تو کاتب صاحبان ایک ایک صفحہ اُٹھا کر کتابت کرنے چلے جاتے ہیں، اُس کے پیچھے نہیں دیکھتے اور یہ طریقہ آسان بھی ہے۔
اچھا اب آپ یہ رسالہ پڑھیے۔

نونہال بڑوں کی نظر میں

روزنامہ جنگ کے چیف ایڈیٹر جناب میر خلیل الرحمن لکھتے ہیں:

بچّوں کا یہ مقبول اور منفرد رسالہ کسی تعریف کا محتاج نہیں۔ گزشتہ ۳۵ برسوں سے شائع ہونے والے اس رسالے نے نہ صرف بچّوں بلکہ نوجوانوں اور بزرگوں تک کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ نونہال میں شائع ہونے والی تحریریں بچّوں کی ذہنی سطح، ان کے شوق و رجحان اور نفسیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے شائع کی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ان کا معیار بہت اعلا ہوتا ہے بلکہ چھوٹے بچّے ان سے بھرپور استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ اس رسالے میں معیاری کہانیوں کے علاوہ دل چسپ واقعات، لطائف، معلوماتی مضامین اور سب سے بڑھ کر اسلامی اقدار کے حوالے سے شائع کیے جانے واقعات بچّوں کے لیے ایک خزینہ کے مانند ہیں۔ نئے لکھنے والے بچّوں کے لیے نونہال صحافت کا پہلا زینہ ہے جس کے ذریعہ سے یہی نونہالانِ وطن ہماری تابناک صحافت کا سرچشمہ ہوں گے۔

آپ اور حکیم محمد سعید صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ گزشتہ ۳۵ برسوں سے دل جمعی اور مستقل مزاجی کے ساتھ بچّوں کو نونہال کے ذریعہ سے ایک دل چسپ اور معلوماتی تفریح کے ساتھ ساتھ ان کے ذہنوں کو جِلا بخش رہے ہیں۔ نونہالانِ وطن کے کردار میں نونہال والدین کی مانند بچّوں کی تربیت میں معاونت کے فرائض بہ خوبی انجام دے رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ گل دستۂ نونہال کے پھول اسی طرح کھلتے رہیں۔

مشہور نقّاد اور ادیب جناب ڈاکٹر محمد حسن (دہلی) لکھتے ہیں:

آپ نے یہ خاص نمبر بڑے سلیقے سے مرتب کیا ہے۔ مندرجات بھی خوب ہیں اور پیش کش بھی خوب ہے۔ خاص طور پر "گلی ور کے سفرنامے" کی تلخیص پسند آئی۔ یہ سلسلہ جاری رکھیں تو اچھا ہے۔ بلاشبہ آپ کا یہ خصوصی نمبر اردو میں بچّوں کے رسالوں کے معاملے میں سنگِ میل کا درجہ رکھتا ہے۔ نظم "اول جلول" اچھی لگی۔

خیال کے پھول

• حضور اکرمؐ: جس شخص نے لوگوں کا شکر ادا نہ کیا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔

مرسلہ: عمارہ خان، کراچی

• حضرت خواجہ حسن بصریؒ: جھوٹا سب سے پہلے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔

مرسلہ: محمد عرفان میمن، سکھر

• حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ: تیرے سب سے بُرے دشمن تیرے بُرے دوست ہیں۔

مرسلہ: عالیہ نسیم، کراچی

• شیخ سعدیؒ: اللہ کے نیک بندے تو اپنے دشمنوں کو بھی ناراض نہیں کرتے۔ تُو اس کا بندہ کیسے بن سکتا ہے جب کہ تُو اپنے دوستوں کے خلاف سازشیں کر رہا ہے۔ مرسلہ: شمسہ، منڈرہ

• حضرت مجدّد الف ثانیؒ: کُفر کے بعد سب سے بڑا گناہ دل آزاری ہے۔

مرسلہ: ایس خادم حسین، پنگورو

• بوعلی سینا: انسان کی بہترین دولت علم ہے۔ مرسلہ: حسن مہدی خراسانی، کراچی

• ارسطو: لگن کے بغیر کسی میں بھی ذہانت پیدا نہیں ہو سکتی۔ مرسلہ: اظہر رشید انصاری، جھنگ صدر

• سنیکا: سب سے زیادہ طاقت ور وہ ہے جو اپنی شخصیت کو اپنا پابند بنالے۔

مرسلہ: سید محمد احمر اور صائمہ سیّد، لاڑکانہ

• شیکسپیئر: سونے پر سونے کا ملمع چڑھانا اور گلاب کے پھول پر خوش بُو چھڑکنا بالکل بے کار ہے۔ اصلیت کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں ہے۔

مرسلہ: خانان دُرّانی پشتون، چمن

• تُلسی داس: جو شخص اللہ کو چھوڑ کر دوسروں پر بھروسا کرتا ہے وہ کہیں کا نہیں رہتا۔

مرسلہ: اجمل سلطانہ

• ایمرسن: اونچے پہاڑ پر جانے کے لیے آہستہ آہستہ چڑھنا پڑتا ہے۔

مرسلہ: وقاص عزیز شیخ، فیصل آباد

• ٹامسن: خود پر فتح پانا سب سے بڑی کام یابی ہے۔ اس کے بغیر تو فاتح بھی غلام ہوتا ہے۔ مرسلہ: سید محمد احمر اور صائمہ سیّد، لاڑکانہ

• آسکر وائلڈ: بعض لوگ جہاں جاتے ہیں اپنے ساتھ خوشیاں لے جاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کے چلے جانے سے خوشی ہوتی ہے۔ مرسلہ: جاوید عبدالکریم، کراچی

سرسیّد

طاہر احمر

حق نمائی کی شان سر سیّد
حق پرستی کی آن سر سیّد
دشت و صحرا اگر زمانہ تھا
منزلوں کا نشان سر سیّد
ظلمتِ شب سے ہم نکل آئے
ہم نے سُن لی اذانِ سر سیّد
اس نے باطل کو بڑھ کے للکارا
قوم کی تھا کمان سر سیّد
جہل کی طاقتوں سے لڑتا رہا
علم کا کاروان سر سیّد
وقت کی تیرگی مٹانے کو
پڑھ رہا تھا قرآن سر سیّد
اس کی زندہ صدا علی گڑھ ہے
قوم کی آن بان سر سیّد
لوگ تھے بے زبان جب احمر
بن گیا ترجمان سر سیّد

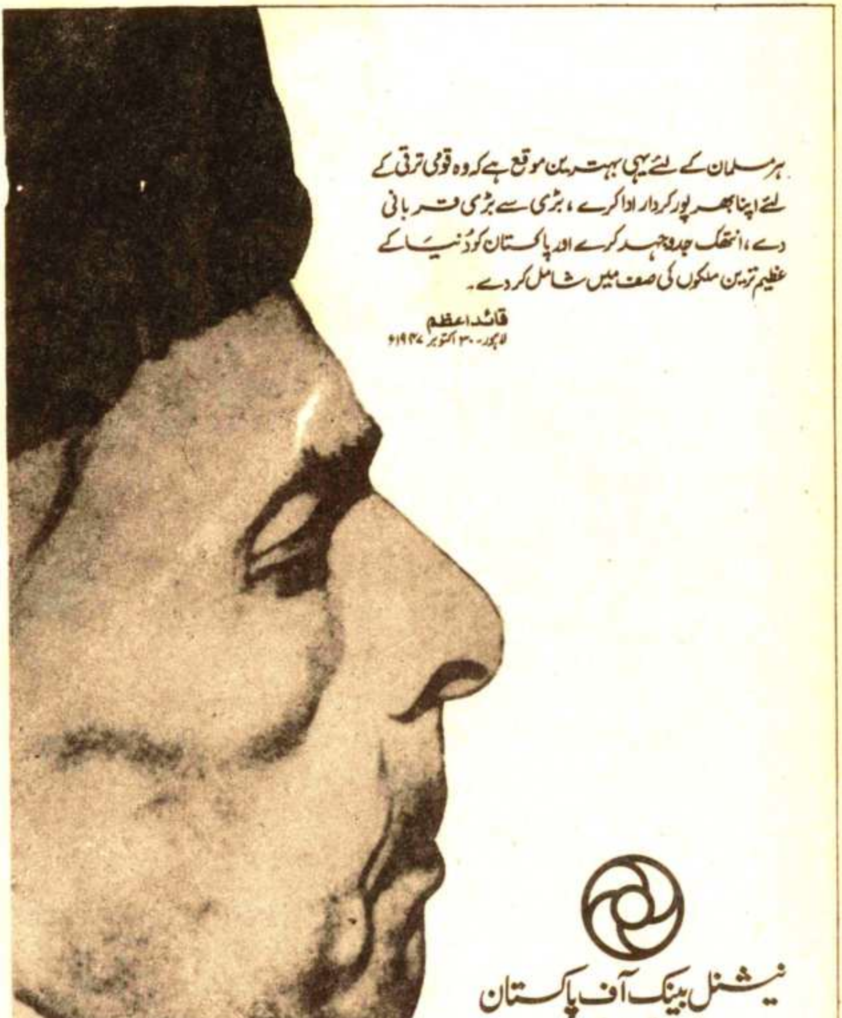

United PIDI-1-9/88

عبداللہ — دو چادروں والے

طالب ہاشمی

عرب میں ایک مشہور قبیلہ بنُو مُزینہ تھا۔ مُدّتیں گزریں اس قبیلے میں عَبدُ العُزّیٰ نام کے ایک بہت نیک لڑکے تھے۔ وہ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ یتیم بچّے کے سر پر اُن کے چچا نے ہاتھ رکھ لیا اور بڑی محبّت سے اُن کی پرورش کی۔ عبد العُزّیٰ نے جب ہوش سنبھالا تو ہمارے رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم مکّے میں لوگوں کو اللہ کے دین اسلام کی طرف بُلا رہے تھے۔ عَبدُ العُزّیٰ نے آپ کی دعوت کا حال سُنا تو ان کے دل نے گواہی دی کہ اسلام ہی سچّا دین ہے لیکن وہ اس بات کو اپنے چچا کے سامنے ظاہر نہ کرتے تھے، کیوں کہ چچا اسلام کا سخت دشمن تھا۔
اسی طرح کئی سال گزر گئے، یہاں تک کہ رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم مکّے سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لے گئے۔ اس کے کچھ عرصے بعد عبد العُزّیٰ ایک دن چچا کے پاس گئے اور کہا:

"چچا جان! میں کئی سال سے انتظار کر رہا ہوں کہ آپ بُتوں کو پوجنا چھوڑ دیں اور صرف ایک اللہ کی بندگی کریں، لیکن آپ کا جو حال پہلے تھا وہی اب بھی ہے۔ اللہ نے مجھے توفیق دی ہے کہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکوں۔ میں اب آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اُس کے سچّے رسولؐ پر ایمان لے آیا ہوں۔"

چچا کو بھتیجے کی بات سُن کر سخت غصہ آیا۔ اُس نے کڑک کر کہا:

"اگر تُو نے مُحمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین قبول کر لیا ہے تو اس سے زیادہ میرے لیے دُکھ کی کوئی بات نہیں۔ کیا میں نے اسی دن کے لیے تجھ کو پالا تھا کہ باپ دادا کے مذہب کو جُھوٹا کہے؟ اگر خیر چاہتا ہے تو نیا

دین فوراً چھوڑ دے، ورنہ اونٹ، بکریاں، مال کپڑے جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا ہے سب چھین لوں گا۔"

بہادر عَبدُ العُزّیٰ نے جواب دیا:

"چچا جان! اب تو خواہ میری جان بھی چلی جائے، میں اللہ اور اللہ کے سچے رسول سے منھ نہ موڑوں گا۔"

یہ سُن کر، چچا مارے غصّے کے دیوانہ ہو گیا۔ اس نے عَبدُ العُزّیٰ سے سب کچھ چھین لیا۔ یہاں تک کہ ایک لنگوٹی کے سوا سارے کپڑے بھی اُتروا لیے۔ عَبدُ العُزّیٰ ننگے بدن لنگوٹی باندھے اپنی ماں کے پاس گئے اور اُن کو ساری بات بتائی۔ ماں کو اپنے بن باپ کے بیٹے سے بڑی محبّت تھی۔ عبد العُزّیٰ کو اس حال میں دیکھ کر انھیں بہت رنج ہوا۔ ان کے پاس ایک بڑی سی چادر تھی، اُسے عبد العزّیٰ کو دے کر کہا کہ یہ اپنے جسم پر ڈال لو۔ عبد العزّیٰ نے چادر کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک کا تہ بند بنایا اور دوسرے کو بدن پر ڈال لیا۔ پھر وہ مدینے کی طرف چل پڑے۔

کئی دن کے سفر کے بعد جب عبد العزّیٰ مدینے پہنچے تو رات ڈھل چکی تھی۔ اور فجر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ وہ سیدھے مسجدِ نبوی میں گئے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حضور کی نظر عبد العزّیٰ پر پڑی تو اُن سے پوچھا، "تم کون ہو؟"

انھوں نے عرض کیا، "میرا نام عبد العزّیٰ ہے۔ مسافر ہوں اور اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

آپ نے فرمایا، "آج سے تمھارا نام عبد العُزّیٰ نہیں بلکہ عبد اللہ ہے۔ اور لقب ذو البجادَین (دو چادروں والا) ہے۔ تم ہمارے قریب ہی ٹھیرو۔"

حضور کا ارشاد سُن کر عبد اللہ اتنے خوش ہوئے کہ قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ وہ اصحابِ صُفّہ میں شامل ہو گئے۔ اصحابِ صُفّہ مسجدِ نبوی کے قریب ایک دالان میں رہتے تھے اور دن رات اسلام کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہ لوگ اللہ کے مہمان کہلاتے تھے اور اُن کے کھانے پینے کا سارا انتظام خود رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کیا

کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہؓ کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبّت تھی۔ وہ صبح شام دونوں وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپؐ بھی اُن پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ حضرت عبد اللہؓ اکثر اللہ کے ذکر اور قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ حضورؐ ان کو بلند آواز سے قرآنِ پاک پڑھتے دیکھتے تو خوش ہوتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو بڑا درد بھرا دل دیا ہے۔ یہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے لیے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آیا ہے۔

۹ ہجری میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار مُجاہدوں کے ساتھ تبُوک کی لڑائی کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت عبد اللہؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ راستے میں ایک دن وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، "اے اللہ کے رسول! میرے لیے دُعا کریں کہ اللہ مجھے شہادت کا رتبہ دے۔"

آپؐ نے فرمایا، "جاؤ کسی درخت کی چھال اُتار لاؤ۔"

جب وہ چھال اُتار کر لائے تو آپؐ نے وہ چھال حضرت عبد اللہ کے بازو پر باندھ دی اور فرمایا، "میں عبد اللہ کا خون کافروں پر حرام کرتا ہوں۔"

حضرت عبد اللہ نے عرض کی، "اے اللہ کے رسولؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! ہوں، آپؐ میرا خون کافروں پر حرام کر رہے ہیں لیکن میں تو شہید ہونا چاہتا ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا، "جب تم اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیے نکل آئے اور پھر لڑائی سے پہلے تمھیں بخار آجائے اور اس بخار سے تم فوت ہو جاؤ تب بھی تم شہید ہو گے۔"

اللہ کی قدرت جب اسلامی لشکر تبُوک پہنچا تو حضرت عبد اللہ کو سخت بخار ہو گیا اور اسی بخار سے وہ فوت ہو گئے۔ جب ان کو دفن کیا جانے لگا تو رات کا وقت تھا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ اس کی روشنی میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ مل کر خود اُن کی قبر کھودی۔ جب قبر کھُد چکی تو آپؐ نے اپنے انھی دو پیارے ساتھیوں کی مدد سے حضرت عبد اللہ کی میّت کو قبر میں اُتارا۔ اُس وقت آپؐ اُن سے فرما رہے تھے:

"اپنے بھائی کو ادب سے قبر میں اُتارو۔"
جب قبر پر مٹی ڈالی جا چکی تو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی :
"اے اللہ! میں اس سے راضی تھا تو بھی اس سے راضی رہ۔"
رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پیارے ساتھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سن کر میرا جی چاہا کہ اے کاش !
عبداللہ ذوالبجادینؓ کی جگہ مجھے موت آجاتی (تاکہ حضورؐ خود مجھے دفن کرتے اور میرے لیے اسی طرح دُعا کرتے۔)

ایک سچّی کہانی

وِردہ ، آئیڈیل اکیڈمی اسکول، کراچی

کال بیل بجی اور ڈاکیے کی مخصوص آواز آئی۔ میں بھاگی بھاگی گیٹ پر پہنچی۔ میں اسکول سے ابھی ابھی گھر واپس آئی تھی۔ ابھی تو یونی فارم بھی نہیں بدلا تھا کہ بھاگ دوڑ کرنی پڑ گئی۔ لیکن مجھے پتا نہیں تھا کہ باہر کتنی بڑی خوشی میرا انتظار کر رہی ہے۔ جب میں باہر پہنچی تو ڈاکیے نے پوچھا، "وِردہ کون ہے؟" میں نے بتایا کہ وردہ میرا ہی نام ہے۔ ڈاکیے نے کہا، "اچھا تو یہ پارسل لیجیے اور یہاں پر دستخط کر دیں۔" میں نے دستخط کر کے پارسل لے لیا۔ میں حیران تھی کہ پارسل اور وہ بھی میرے نام۔ کمرے میں جا کر کھولا تو حکیم محمد سعید کا کتاب کا تحفہ پا کر خوشی سے اُچھل پڑی۔ کتاب کھولی تو اندر ایک خط بھی تھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ نونہال ادیب میں تمھاری لکھی ہوئی تحریر پڑھی۔ مجھے خوشی ہے کہ تمھیں ایک اچھا شوق ہے اور تم ایک اچھے راستے پر گامزن ہو۔ اسی خوشی میں یہ کتاب کا تحفہ پیش کر رہا ہوں۔ میں تو خوشی سے پاگل ہو گئی۔ میری کہانی چھپ گئی تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ کون سی کہانی۔ کافی سوچنے پر یاد آیا کہ میں نے بہت دن پہلے ایک کہانی اپنے پسندیدہ رسالے "ہمدرد نونہال" کو بھیجی تھی۔ وقت اتنا گزر گیا تھا کہ میں تو بھول بھی گئی۔ میں نے سوچا تھا کہ اس کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا گیا ہوگا، اس لیے صبر کر کے چُپ ہو گئی تھی۔ لیکن شاید اللہ میاں کو میرا یہ صبر اچھا لگا اور میری کہانی ٹیمو کیمو، ہمدرد نونہال جنوری ۱۹۸۸ء میں شائع ہو گئی۔

خوب صورت اشعار

اردو زبان کا چمن آج رنگا رنگ پھولوں سے مہک رہا ہے۔ اس خوب صورت باغ کو ہماری پیاری زبان کے پُرانے شاعروں نے سینچا تھا۔ یہاں ان میں سے بڑے بڑے اور مشہور شاعروں کا ایک ایک شعر پیش کیا جا رہا ہے۔ ہر شعر کے نیچے شاعر کا نام اور اس کی وفات کا سال بھی لکھ دیا گیا ہے:

مفلسی سب بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے
شمس الدین ولی اورنگ آبادی (وفات ۱۷۴۲ء)

تجھ بنا اے سراج بعد ولی
کوئی صاحب سخن نہیں دیکھا
سراج الدین سراج اورنگ آبادی (وفات ۱۷۶۳ء)

دُور خاموش بیٹھ رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں
شاہ نجم الدین آبرو دہلوی (وفات ۱۷۴۸ء)

فدوی ہے جاں فشاں ہے غلامِ قدیم ہے
حاتم کی زندگی کو فراموش مت کرد
شیخ ظہور الدین حاتم دہلوی (وفات ۱۷۸۲ء)

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہیں
زندگانی کا کیا بھروسا ہے
سراج الدین علی خان آرزو (وفات ۱۷۵۶ء)

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا
مرزا جانِ جاناں مظہر دہلوی (وفات ۱۷۸۱ء)

مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے
یوں بھی گزر گئی مری یوں بھی گزر گئی
اشرف علی، فغاں دہلوی (وفات ۱۷۷۲ء)

بہار آئی بجاؤ عندلیبو ساز عشرت کے
گئیں حسرت کی وہ راتیں، گئے وہ دن مصیبت کے
انعام اللہ خاں یقین دہلوی (وفات ۱۷۵۰ء)

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے
میر عبدالحیٔ تاباں دہلوی (وفات اندازاً ۱۷۷۶ء)

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
خواجہ میر درد دہلوی (وفات ۱۷۸۵ء)

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں
مرزا محمد رفیع سودا دہلوی (وفات ۱۷۸۱ء)

قسمت کو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دُور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
شیخ قیام الدین قائم چاند پوری (وفات ۱۷۹۵ء)

سارے عالَم پُر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا
سید محمد تقی میرؔ اکبر آبادی دہلوی (وفات ۱۸۱۰ء)

وہ نہ آئے تو تو ہی چل رنگیں
اس میں کیا تیری شان جاتی ہے
سعادت یار خاں رنگیںؔ دہلوی (وفات ۱۸۳۵ء)

مانندِ حُباب اس جہاں میں
کیا آئے تھے اور کیا گئے ہم
میر غلام حسن احسنؔ دہلوی (وفات ۱۷۸۶ء)

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
انشاء اللہ خاں انشاؔ دہلوی لکھنوی (وفات ۱۸۱۸ء)

درد و غم کو بھی ہے نصیبہ شرط
یہ بھی قسمت سوا نہیں ملتا
شیخ غلام ہمدانی مصحفیؔ امروہی (وفات ۱۸۲۴ء)

پھوٹا پڑا ہے چولھا ٹوٹی پڑی کڑھائی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں
میاں ولی محمد نظیرؔ اکبر آبادی (وفات ۱۸۳۰ء)

شبنم کی مثال اس چمن میں
شب آئے تھے، سحر گئے ہم
مرزا جعفر علی حسرتؔ لکھنوی (وفات ۱۸۰۲ء)

ایام مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے
دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں کیسے
کرامت علی خاں شہیدیؔ بریلوی (وفات ۱۸۴۰ء)

زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں
شیخ امام بخش ناسخؔ لکھنوی (وفات ۱۸۳۸ء)

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے
خواجہ حیدر علی آتشؔ لکھنوی (وفات ۱۸۴۶ء)

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب بُرا کہنے کو ہیں
حکیم مومن خاں مومنؔ دہلوی (وفات ۱۸۵۴ء)

احسان ناخدا کے اُٹھائے میری بلا
کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں
شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ دہلوی (وفات ۱۸۵۴ء)

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور
مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ دہلوی (وفات ۱۸۶۹ء)

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا
میر ببر علی انیسؔ لکھنوی (وفات ۱۸۷۵ء)

آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے
جاتا ہو تو اس کا غم نہ کیجے
پنڈت دیا شنکر نسیمؔ لکھنوی (وفات ۱۸۴۲ء)

اے جانِ بے قرار ذرا صبر چاہیے
بے شک اِدھر بھی آئے گا جھونکا نسیم کا
نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہؔ دہلوی (وفات ۱۸۶۹ء)

پاکستان

محمد محتشم الحسن، کراچی

- پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ ہجری بروز جمعرات وجود میں آیا۔
- پاکستان کے چار صوبے ہیں۔
- پاکستان کی کرنسی کا نام رُپیہ ہے۔
- پاکستان کا قومی پھول "چنبیلی" ہے۔
- پاکستان کا قومی کھیل ہاکی ہے۔
- پاکستان کی قومی زبان اردو ہے۔
- پاکستان کی بلند ترین چوٹی کے۔ ٹو ہے۔ اس کی اونچائی ۲۸۲۵۰ فیٹ ہے۔
- پاکستان کے سب سے بڑے دریا کا نام دریائے سندھ ہے۔ اس کی لمبائی ۱۹۰۰ میل ہے۔
- پاکستان کا نام چودھری رحمت علی مرحوم نے تجویز کیا تھا۔
- پاکستان کا سب سے بڑا شہر کراچی ہے۔
- پاکستان کا سب سے قدیم شہر ملتان ہے۔
- پاکستان ۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو اقوامِ متحدہ کا ممبر بنا۔
- پاکستان کا سب سے بڑا فوجی اعزاز نشانِ حیدر ہے۔
- پاکستان کا سب سے بڑا سول ایوارڈ نشانِ پاکستان ہے۔
- پاکستان کے قومی ترانے کے شاعر حفیظ جالندھری مرحوم تھے۔
- پاکستان کو سب سے پہلے ایران نے تسلیم کیا تھا۔
- پاکستان کے مشہور مینار "مینارِ پاکستان" کی اونچائی ۱۹۶ فیٹ ۶ اِنچ ہے۔
- پاکستان کا پہلا ٹیلے وژن اسٹیشن ۲۶ نومبر ۱۹۶۴ء کو لاہور میں قائم ہوا۔
- پاکستان کا پہلا سکہ ۳ جنوری ۱۹۴۸ء کو جاری ہوا۔
- پاکستان کا پہلا پانچ سالہ منصوبہ ۱۹۵۵ء میں شروع کیا گیا۔

- پاکستان میں ٹیلے وژن کی رنگین نشریات ۲۰ دسمبر ۱۹۷۶ء سے شروع ہوئیں۔
- پاکستان نے ۳۰ جنوری ۱۹۷۲ء کو دولت مشترکہ سے علاحدگی کا اعلان کیا۔
- اسٹیٹ بینک اوف پاکستان یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو قائم ہوا۔ اس کے پہلے گورنر زاہد حسین تھے۔
- پاکستان نے اولمپک میں پہلی مرتبہ ۱۹۴۸ء میں شرکت کی۔
- پاکستان میں بننے والے پہلے بحری جہاز کا نام العبّاس ہے۔
- پاکستان کے پہلے مواصلاتی سیّارے کا نام البدر ہے۔
- پاکستان کے پہلے ایٹمی بجلی گھر نے ۵ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو کراچی میں کام کرنا شروع کیا۔ اس طرح پاکستان ایٹمی بجلی پیدا کرنے والا پہلا اسلامی ملک بنا۔
- پاکستان کی پہلی مردم شماری ۹ فروری ۱۹۵۱ء کو شروع ہوئی جو ۲۸ فروری تک جاری رہی۔
- پاکستان میں کہتے ہیں:
- روشنیوں کا شہر کراچی کو
- ہوادانوں کا شہر حیدر آباد کو
- میناروں کا شہر لاہور کو
- شاہینوں کا شہر سرگودھا کو
- پہلوانوں کا شہر گوجرانوالہ کو
- مزاروں کا شہر ملتان کو
- کاریگروں کا شہر سیالکوٹ کو

ماڈرن ڈکشنری

مرسلہ: فیض رسول انجم، آبدی شریف

پڑوسی: وہ شخص یا لوگ جو آپ کے متعلق خود آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔

اپنڈکس: ایک ماڈرن بیماری جس کی موجودگی فیشن میں شمار کی جاتی ہے۔

چالیس: وہ ہندسہ جہاں عورت کی عمر کبھی نہیں پہنچتی اور نہ پہنچے گی۔

سوال و جواب

حکیم محمد سعید

طب کی روشنی میں

سَر کے بال گرنا

س: عمر ۱۸ سال ہے۔ میرے بال بہت گر رہے ہیں۔ کنگھی کرتا ہوں تو بے انتہا بال گرتے ہیں۔
ارشد اسلام

ج: یقیناً آپ کے سَر میں خشکی (ابفاء ڈینڈروف) ہے۔ سَر کو روزانہ صبح گندک کے صابن سے دھونا چاہیے۔ رات کو حسبِ ذیل تیل سَر میں لگانا چاہیے:

دوائے خارش سفید ۳ گرام اور روغن کمیلا ۳۶ گرام، دونوں کو ملا کر۔

پتلا اور لمبوترا چہرہ

س: میرا چہرہ پتلا اور لمبا ہے۔ رخساروں پر گوشت نہ ہونے کے برابر ہے۔ لوگ میرے چہرے کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔
ن۔م، راول پنڈی

ج: ستواں چہرہ اچھا ہی لگتا ہے۔ آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ ویسے اگر آپ ہلکی چکناہٹ سے رات سوتے وقت اپنے گالوں کی ۸۔۱۰ منٹ مالش (گولائی میں) کر لیا کریں تو دورانِ خون بڑھنے سے گوشت میں بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔

مسوڑوں میں پیپ

س: عمر ۲۲ سال ہے۔ میرے دانتوں پر سیاہ رنگ کی میل سی چڑھ گئی ہے۔ ایک دو دانتوں میں سوراخ بھی ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ میرے مسوڑوں میں پیپ پڑ گئی ہے۔
غضنفر علی، راول پنڈی

ج: بھئی آپ نے تو اپنی غفلت کی وجہ سے اپنے دانتوں کو خاصا نقصان پہنچا لیا ہے۔ صفائی سے غفلت ہمیشہ مسوڑوں کو کم زور کر دیتی ہے۔ خاص طور سے میٹھا کھا کر بغیر

منھ دانت صاف کیے سو جانے والے بچّوں اور جوانوں کے دانت خراب ہوجایا کرتے ہیں۔ آپ کو اب دانتوں کی صفائی کی ضرورت ہے۔ کسی ماہرِ دنداں (ڈینٹسٹ) سے مشورہ کرلینا مناسب ہوگا۔

ٹھوڑی پر بال

س: میری عمر ۱۵ سال ہے۔ مردوں کی طرح میری ٹھوڑی پہ بال ہیں۔ مہربانی کرکے کوئی آسان علاج بتا دیجیے۔ مریم شفیع محمد مگسی، شکارپور

ج: بہ ظاہر یہ کسی دوا کا ردِّ عمل معلوم ہوتا ہے۔ بعض دواؤں سے ہارمون کا نظام غیر متوازن ہوجاتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو بھی کسی وجہ سے ٹھوڑی کے بالوں والے غدود متحرک ہوگئے ہیں۔ میری رائے ہے کہ ان بالوں کو چھیڑنا نہیں چاہیے کہ ایسا کرنے سے ان میں مزید تحریک ہوجاتی ہے اور اس خرابی کو اب برداشت کرنا چاہیے۔

سرخ آنکھیں

س: عمر ۱۴ سال ہے۔ میری آنکھیں سُرخ ہوجایا کرتی ہیں۔ ازراہِ کرم اپنے مشورے سے نوازیے۔ محمد عصمت اللہ کوبر

ج: ہوسکتا ہے کہ آنکھوں میں ککرے (رو ہے) ہوں۔ بعض اوقات پانی کی خرابی کی وجہ سے الرجی ہوجاتی ہے اور آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں۔ آنکھوں کا معاملہ ہے۔ ماہرِ چشم سے مشورہ کرنا چاہیے۔

سانس کا پھولنا

س: بھاگنے سے سانس پھولتا ہے اور جسم میں تھکن محسوس ہوتی ہے۔ ازراہِ کرم اپنے مشورے سے نوازیے۔

ج: جب انسان بھاگتا ہے تو قلب کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے اور پھیپڑے بھی زیادہ سے زیادہ آکسیجن کے طلب گار ہوتے ہیں۔ یہ کوئی غیر طبعی بات نہیں ہے۔ اگر زیادہ پریشانی ہے تو معالج سے مشورہ کرلیجیے۔

پسینہ

س: گرمی ہو یا سردی جب میں تھوڑا سا کام کرتا ہوں تو پسینے میں کپڑے گیلے ہوجاتے ہیں۔

کم از کم ایک گھنٹے میں چار پانچ گلاس پانی پیتا ہوں ۔ کوئی ایسا طریقہ بتائیے کہ پیاس اور پسینے سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے ۔ عباس علی چٹھ، حیدر آباد

ج : بہ ظاہر یہ پیدائشی مسئلہ ہے کہ آپ کی جلد کے نظام میں سُرعت ہے ۔ غدود تیزی سے کام کرتے ہیں اور زیادہ پسینہ خارج کر دیتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ میری رائے ہے کہ اس میں دخل نہیں دینا چاہیے اور اس نظام کو قبول کر لینا چاہیے ۔

دل کی دھڑکن

س : پریشانی سے میرے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ تو صاف سُنائی دیتی ہے ۔ اس سے مجھے نیند نہیں آتی ۔ حامد ملک، کراچی

ج : آپ نے عمر نہیں لکھی ہے ۔ شُبہ ہوتا ہے کہ آپ کو "وجع المفاصلی قلب" (دل پر اثر کرنے والا جوڑوں کا درد) ہے ۔ اگر آپ نے دل کا معائنہ نہیں کرایا ہے تو کرا لینا چاہیے ۔ دوا کے طور پر فی الحال پودینہ سبز ۹ گرام، ادرک تازہ ۳ گرام، پان تازہ ایک عدد ۔ تینوں کو باریک کتر کر پانی میں ڈال کر جوش دیں اور چھان کر پی لیں، کم از کم ایک ماہ ۔ قلب کے امراض کے لیے یہ ایک بہترین نسخۂ شفا ہے ۔

آنکھوں میں چبھن اور جلن

س : عمر ۱۲ سال ہے ۔ میری آنکھوں میں شدید تکلیف ہے ۔ آنکھوں میں چُبھن بھی ہوتی ہے اور شدید جلن محسوس ہوتی ہے ۔ میں آنکھوں کو خوب مَسلتی ہوں ۔ کوئی علاج تجویز فرما دیجیے ۔ بُشریٰ الیاس، مقام نامعلوم

ج : مناسب ہے کہ کسی ماہرِ چشم سے آنکھوں کا معائنہ کرائیے ۔ ایسا لگتا ہے کہ آنکھوں کے پپوٹوں کے اندر دانے (رو ہے) ہو گئے ہیں ۔ یہ خاصا مشکل کام ہے ۔ علاج آسان نہیں ہے ۔ بعض لوگ مشورہ دیتے ہیں کہ خالص شہد سُرمے کی سلائی سے روزانہ لگانے سے فائدہ ہوتا ہے ۔ یہ علاج کر کے دیکھ لیا جائے ۔ ہاں یاد آیا، گُل مُنڈی ۶ گرام رات کو گرم پانی میں بھگو دیں ۔ صبح اُسے مَل چھان کر پی لیں ۔ اُس سے فائدہ ہوتا ہے ۔

نونہال ادب

نونہالوں کے لیے دل چسپ، مفید اور پُر لطف کتابیں

ہمدرد فاؤنڈیشن نے نونہالوں کی صحت مند تفریح اور تعلیمی ترقی کے لیے سو کتابوں کی اشاعت کا ایک عظیم منصوبہ شروع کیا ہے۔ اس منصوبے پر پوری توجہ سے جناب حکیم محمد سعید کی رہنمائی میں کام ہو رہا ہے۔ حسب ذیل کتابیں بہت جلد شائع ہو رہی ہیں :

پکڑے گئے	چار دل چسپ جاسوسی کہانیوں کا مجموعہ
جھیل کا راز	تین لڑکے سونے کے اسمگلروں کو کِس طرح گرفتار کراتے ہیں۔ ایک مہماتی کہانی۔
خلائی مسافر	خلا سے آنے والوں نے زمین کے لوگوں سے ملاقات کی — چار بہت ہی دل چسپ کہانیاں۔
گلاب ڈھیری کا نیلم	ایک باعزم لڑکے کی ہمت اور محنت کی کہانی
اسلام کے جاں نثار	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن صحابیوں کی داستان جنھوں نے اسلام کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے اُمت کے لیے مثال قائم کر دی۔
پادری کی رُوح	پندرہ بہت ہی دل چسپ کہانیوں کا مجموعہ
ہمّت کے کرشمے	انسان کے حوصلے اور ہمت کی بارہ سچّی کہانیاں۔

ماں

غنی دہلوی

دنیا میں تم پھولو پھلو گے
عزّت گر تم ماں کی کروگے
ماں کی دعائیں لیتے رہو گے
باتیں ادب سے ماں کی سُنوگے
خوشبوں سے دامن کو بھروگے
دنیا میں تم پُھولو پھلو گے
عزّت گر تم ماں کی کروگے
کہنا مانو ماں کا بچّو
خوش رکھو تم ماں کے دل کو
رُتبے کو تم ماں کے سمجھو
دنیا میں تم پھولو پھلوگے
عزّت گر تم ماں کی کروگے
پیارے بچّو، ماں کی عظمت
کرتے رہو تم ماں کی عزّت
دل میں رکھو ماں کی محبّت
دنیا میں تم پھولو پھلو گے
عزّت گر تم ماں کی کروگے
ماں نے تم کو گود میں رکھا
ماں نے تم کو پالا پوسا
بچّو، ماں کا دِل نہ دُکھانا
دنیا میں تم پھولو پھلوگے
عزّت گر تم ماں کی کروگے

مالی! پہلی بار گاڑی چلا رہے ہو۔ ذرا دھیان سے چلانا۔
دھیان سے تو چلاؤں گا، لیکن آپ احتیاطاً اس ہسپتال کا نام بتا دیجیے جہاں صاحب کا علاج ہوتا ہے۔

ابھی کرتا ہوں اُوپر والوں سے شکایت۔ امتحان میں نقل کرنے کے لیے میرا گھیراؤ کیا ہے تم لوگوں نے۔
نہیں جناب! نقل کرنے کی تو فرصت نہیں ہے ہمارے پاس۔ ہمیں تو بس اس امتحان میں ہر حال میں پاس ہونا ہے۔

تحفے

دِل چسپ تحریریں، عظیم اقوال، انوکھے نکتے، چمکتے مسکراتے جملے

ایک شعر

مرسلہ: عبدالناصر فاروقی، سرگودھا

جس کے ناموں کی نہیں کچھ انتہا
ابتدا کرتا ہوں اس کے نام سے
—— فیض لودھیانوی

ماڈرن ڈکشنری

مرسلہ: حمیرا ناز، سکھر

ادیب: زمین پر رہنے والا ستاروں کا باشندہ۔

اخبار نویس:۔ مملکت کا پانچواں ستون جس کے اپنے گھر کی نہ چھت ہوتی ہے نہ ستون۔

تقریر:۔ ڈھائی منٹ کی بات کو ڈھائی گھنٹے تک طول دینا۔

جوش و خروش:۔ ایک اعصابی بیماری جو نوجوانوں اور ناتجربے کاروں کو لاحق ہوتی ہے۔

خوش حالی:۔ وہ دَور جس میں ایسی چیزیں خریدی جائیں جن کی نہ ضرورت ہو اور نہ کوئی اور مصرف۔

فیشن:۔ درزی کی غلطی۔

لافانی شاہکار:۔ وہ جو انسانوں کی سمجھ سے باہر ہو۔

فیکٹری:۔ آرام گاہ۔

کیا خوب ہیں

مرسلہ: عابد رضا ناز، گوجرانوالہ

- وہ لمحات جو عبادتِ الٰہی میں گزریں۔
- وہ لمحات جو جنّت کے ضامن بنیں۔
- وہ ہدایات جو سبق آموز ہوں۔
- وہ جذبات جو میدانِ جنگ میں بھڑکیں۔
- وہ قدم جو ملکی فلاح و بہبود کے لیے اُٹھیں۔
- وہ ذہن جو آخرت سنوارنے میں مدد دیں۔
- وہ انسان جو راہِ حق پر گامزن ہوں۔
- وہ لب جو خوش اخلاقی کے کلمات خارج کریں۔

آداب

سید طارق جاوید، کراچی

اے صاحبو! جاپان تو جدید ہے لیکن جاپانی

اتنے جدید نہیں ہیں۔ اُن کا طرزِ فکر وہی ہے جو کہ تھا۔ سلام و طعام اور نشست و برخاست سب میں سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود ہیں۔ یہ نہ سوچیے کہ چوغے پہنے پھرتے ہیں یا ساری عورتیں سر پر جوڑے بنائے کمر کے پیچھے گدّی باندھے پنکھا کرتی نظر آتی ہیں۔ کام کاج کا سارا لباس مغربی ہے کہ آسانی اسی میں ہے۔ تاہم آپس میں سلام سر جھکا کر ہی کرتے ہیں خواہ سڑک پر ٹریفک ہی چل رہا ہو اور لوگوں کا راستہ بھی رُکتا ہو۔ اس کے لیے فاصلے کا بھی التزام ہے۔ (مصافحے کا دستور نہیں) اور یہ آداب بھی مقرر ہیں کہ کس درجے کے آدمی کے آگے کتنا جھکنا چاہیے۔ تھوڑا جھکنا یا کمر کو دُہرا کرنا لازمی ہے۔ تحفے کا لین دین بھی اُن کی طبعی عادات و رسوم میں ہے۔ جس کو تحفہ دیا جائے اُس کے لیے لازم ہے کہ اس سے دو پیسے زیادہ کا تحفہ لائے۔ اور جوابی تحفے کی قیمت کچھ زیادہ ہونی چاہیے۔ اگر دو فریقوں میں پے درپے تحفوں کا تبادلہ ہوتا ہے تو جان لیجیے کہ تھوڑے دنوں میں یا تو دونوں دیوالیہ ہو جائیں گے، یا سمجھ دار ہوئے تو کوئی بات نکال کر ترکِ تعلق کر لیں گے۔ ـــــ ابنِ انشا

محبّت

مرسلہ: لبنیٰ عبدالکریم، کراچی

محبت ایک ایسا بے غرض، اچھوتا، انوکھا، لافانی اور خوب صورت بندھن ہے جس کے ساتھ یہ پوری انسانیت بندھی ہوئی ہے۔ اس جذبے کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ اگر اس کا اظہار کر دیا جائے تو اس جذبے کی توہین ہو جاتی ہے۔ اس کو تو خاموش آنکھوں سے بیان کیا جاتا ہے اور دل کے کانوں سے سُنا جاتا ہے۔

کام کی باتیں

مرسلہ: ثمرہ رضا، اسلام آباد

- رومن اعداد میں M کی قیمت ۱۰۰۰ ہوتی ہے۔
- K.2 کی چوٹی پر پاکستانی جھنڈا ۱۹۷۷ء میں لہرایا گیا۔
- نظامِ شمسی کے سرد ترین سیّارے کا نام پلوٹو ہے۔
- امریکی سینیٹ کے ارکان کی معیادِ مدّت چھے سال ہوتی ہے۔
- دنیا کا سب سے چھوٹا جانور امیبا ہے۔

وطن کی دھوپ

مرسلہ: عظمیٰ رفعت

ہم پر دیارِ غیر کا سایہ بھی ہے گراں
بہتر ہے ہر لحاظ سے اپنے وطن کی دھوپ

کھٹّی میٹھی

مرسلہ: ہما انور، راہوالی

زندگی کھٹی میٹھی گولیوں کا ایک خوب صورت ڈبّا ہے۔ اس میں کچھ گولیاں اس قدر کھٹی ہیں کہ

جی چاہتا ہے کہ ڈبّے کو پھینک دیں۔ مگر کچھ گولیاں اتنی میٹھی ہوتی ہیں کہ پچھلی تمام تلخیاں مٹ جاتی ہیں۔ لیکن گولیوں کے رنگ اور ذائقے میں کوئی تعلق نہ ہونے کی وجہ سے گولی کھائے بغیر اس کا پتا نہیں چلتا اور جب پتا چلتا ہے تو گولی کو تھوکنے یا قے کرنے کا مرحلہ گزر چکا ہوتا ہے۔ چناں چہ آدمی پھر میٹھی گولیوں کی اُمید میں ایک نہ ایک گولی اُٹھا لیتا ہے۔ کبھی وہ اپنے اس انتخاب پر خوش ہوتا ہے اور کبھی پشیمان۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے اور ایک دن ڈبّا ہی سرے سے غائب ہو جاتا ہے۔

منتخب اشعار

مرسلہ: مغیرہ عروج

جو اعلا ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جُھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

بڑھا سکو تو بڑھاؤ وقارِ انسانی
جو ہو سکے تو شکستہ دلوں سے پیار کرو

ایک بار جو ایندھن کے لیے کٹ کے گرا تھا
چڑیوں کو بڑا پیار تھا اس بوڑھے شجر سے

اللہ اکبر

مرسلہ: شہناز، کراچی

انسانی ہجوم سے "اللہ اکبر" کی صدا اُبھری۔ نہ جانے وہ کون سا اللہ کا بندہ تھا جو شدید عالمِ جبر میں بھی اپنے اللہ کی شان بیان کر رہا تھا۔ یہ ایک نعرۂ توحید ہے جو موجودہ سیاہ کاریوں کے دور میں بھی مسلمان بے اختیار بُلند کرتا ہے۔

—— خان آصف

دو باتیں سوچ لیں

مرسلہ: سید نعمان حیدر، کراچی

اگر آپ اسکوٹر پر سوار کہیں جا رہے ہیں تو دو ہی باتیں ہیں یا تو آپ اسکوٹر سے گر پڑیں گے، یا نہ گریں گے۔ اگر آپ اسکوٹر سے نہ گریں تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر آپ اسکوٹر سے گر پڑے تو دو ہی باتیں ہیں یا آپ کو چوٹ آئے گی یا چوٹ نہ آئے گی۔ اگر آپ کو چوٹ نہ آئی تو کوئی بات نہیں لیکن اگر آپ کو چوٹ آگئی تو دو ہی باتیں ہیں یا آپ ہسپتال جائیں گے یا ہسپتال نہ جائیں گے۔ اگر آپ ہسپتال نہ گئے تو سمجھیے کوئی بات نہیں۔ لیکن اگر آپ ہسپتال گئے تو دو ہی باتیں ہیں۔ یا آپ زندہ رہیں گے یا مَر جائیں گے۔ اگر آپ زندہ رہے تو کوئی بات نہیں لیکن اگر آپ مَر گئے تو دو ہی باتیں ہیں۔ یا آپ جنّت میں جائیں گے یا دوزخ میں جائیں گے۔ اگر آپ جنّت میں گئے تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر آپ دوزخ میں گئے تو بڑی تکلیف ہو گی۔ لہٰذا جب کبھی آپ سفر کا ارادہ کریں تو اس بات کو سوچ لیا کریں کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟

جنت میں یا دوزخ میں۔"

کام یابی کا راز

مرسلہ: خواجہ خالد محمود، لودھراں

- کام یابی چاہتے ہو تو اللہ کی ذات پر مکمل بھروسا کرو اور مایوسی کو اپنے اوپر غالب نہ آنے دو۔
- کام یابی چاہتے ہو تو دل لگا کر محنت کرو، کیوں کہ محنت کبھی رائگاں نہیں جاتی۔
- کام یابی چاہتے ہو تو عظیم شخصیات کی زندگی کا مطالعہ کرو اور جاہل لوگوں کی محفل میں بیٹھنے سے پرہیز کرو۔
- کام یابی چاہتے ہو تو دوسروں کی خامیاں تلاش کرنے کے بجائے اپنے اندر خامیاں تلاش کرو۔
- کام یابی چاہتے ہو تو کسی کو حقیر نہ جانو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کی نظر میں حقیر نہ ہو۔
- کام یابی چاہتے ہو تو کسی بے کس کا مذاق نہ اُڑاؤ بلکہ جہاں تک ہو سکے اس کی مدد کرو۔
- کام یابی چاہتے ہو تو زندگی میں پیش آنے والی پریشانیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرو۔

تیاری

مرسلہ: ولایت علی، حیدر آباد

"امتحان سر پر آن پہنچا ہے۔ کہو ریحان کیسی تیاری ہو رہی ہے؟"

"تیاری، میری تیاری تو مکمل ہو چکی ہے۔ میں نے تمام کارتوس بنا لیے۔ یہ بھی معلوم کر لیا کہ اس بار کون صاحب ہمارے پرچے بنا رہے ہیں۔ جناب میری کوشش اور سفارش کے بعد یہ بھی پتا چل گیا ہے کہ امتحان لینے کے لیے کن کن صاحب کو مقرر کیا جا رہا ہے اور یہ بھی کہ امتحان کے کمرے میں کس چپراسی کو پانی پلانے کی ذمے داری سونپی جا رہی ہے۔ میں تو امتحان دینے کے لیے بالکل تیار ہوں۔ اس مرتبہ مکمل تیاری ہے۔ اُمید ہے کہ شان دار نمبروں سے کام یابی ہو گی۔"

لنگڑے کا سفر

مرسلہ: حنا ناز عبد السلام، کراچی

اکبر الہ آبادی اردو کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ انھوں نے علامہ اقبال کے لیے الہ آباد سے لنگڑے آموں کا پارسل بھیجا۔ علامہ اقبال نے پارسل رسید پر دستخط کرتے ہوئے یہ شعر بھی لکھ دیا:

اثر ہے تیرے اعجازِ مسیحائی کا اے اکبر
الہ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک آیا

اعجازِ مسیحائی کے معنی علاج کرنے کی خوبی ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ آپ ایسے اچھے معالج ہیں کہ لنگڑے کو الہ آباد سے لاہور تک سفر کرا لیا۔

میرا بچپن

پروفیسر مجتبیٰ حسین، کوئٹہ یونی ورسٹی کے
شعبۂ اُردو کے صدر کے بچپن کی کہانی

پروفیسر مجتبیٰ حسین کوئٹہ میں بلوچستان یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے سربراہ ہیں۔ ان کا بچپن بھارت کے صوبے اُتر پردیش میں گزرا۔ گاؤں کا نام سنجے پور تھا جو ضلع جون پور میں تھا۔ آج کل سید صاحب کوئٹہ میں یونی ورسٹی کالونی میں رہتے ہیں۔ ان کا شمار پاکستان کے نام وَر ماہرینِ تعلیم اور نقادوں میں ہوتا ہے۔ سید مجتبیٰ حسین نے اپنے بچپن کے بارے میں بتایا:

میری عمر کا بڑا حصّہ تو ہندُستان اور پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں گزرا ہے لیکن میری پیدائش ایک ایسے گاؤں میں ہوئی تھی جہاں کھیتوں اور باغوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ زیادہ تر آموں کے باغ تھے۔ اور آموں کے موسم میں ہمارے گاؤں کی فضائیں آموں کی خوش بُو سے معطر ہو جاتی تھیں۔ ہمارے گاؤں کے کچھ لوگ سرکاری ملازمت کرتے تھے اور کچھ لوگ کھیتی باڑی۔ والد صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ان کا اکثر دوسرے شہروں میں تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ جب تک گاؤں میں رہا مجھے جنوں، چڑیلوں، بادشاہوں اور شہزادیوں کی کہانیاں سننے کا بڑا شوق تھا۔ شاید ان کہانیوں کا اثر تھا کہ کبھی کبھی کسی کو دیکھتا تو وہ مجھے جن بھوت دکھائی دینے لگتا اور کبھی کسی عورت کو دیکھتا تو وہ مجھے چڑیل لگتی۔ لیکن انھیں دیکھ کر مجھے ڈر یا خوف محسوس نہیں ہوتا تھا۔

ہمارے گاؤں کے قریب بانسوں کا ایک جنگل تھا۔ جب بانسوں کے جنگل میں جانے

کا اتفاق ہوتا تو اس جنگل سے گزرنے والی ہوا کی پُراسرار آواز بڑی عجیب لگتی تھی۔ جس علاقے میں ہمارا گاؤں تھا اس علاقے میں مون سون کا موسم شروع ہوتا تو کئی کئی دن تک موسلا دھار بارش ہوتی رہتی۔ میں گھر میں قید ہو کر بیٹھ جاتا۔ جب بارش ختم ہوتی تو سیدھا بانسوں کے جنگل کا رُخ کرتا۔ وہاں درختوں سے گزرنے والی ہوا کی پُراسرار آواز مجھے اچھی لگتی یا پھر آموں کے باغات میں جا کر بارشوں کے دِنوں میں زمین پر گرے ہوئے آم اکھٹے کرتا اور دوستوں کے ساتھ مل کر چُوسا کرتا۔ ہمارے علاقے میں آم کھانے کا نہیں بلکہ چُوسنے کا رواج تھا۔ وہاں ایک بہت بڑا تالاب بھی تھا اور اس تالاب میں مچھلیوں کی بڑی کثرت تھی۔ مجھے پڑھائی کرنے کے ساتھ ساتھ مچھلیاں پکڑنے کا بھی شوق تھا۔ ایک دفعہ پانچ کلو وزنی مچھلی پھنس گئی جسے پانی سے نکالنا میرے لیے مصیبت بن گیا۔ دوستوں کی مدد سے مچھلی تالاب سے نکالی۔ اسے گھر میں پکایا گیا جس کی لذّت میں آج تک نہیں بھول سکا۔

کبڈّی مسلسل کھیلی۔ کُشتی لڑنے کا جنون اس حد تک تھا کہ شادی کے روز برات دلہن کے گھر جانے کو تیار تھی اور میں اکھاڑے میں کشتی لڑ رہا تھا۔ مجھے زبردستی اکھاڑے سے گھر لے جایا گیا۔

بچپن کا ابتدائی حصّہ گاؤں میں گزرا۔ گاؤں کے استاد تختی لکھنے پر بہت زور دیتے تھے۔ میں نے تختی لکھنے کی اتنی مشق کی ہے کہ آج تک میں خوش خط لکھتا ہوں۔ شادی بیاہ کے موقع پر ہمارے گاؤں میں بھانڈ میراثی آکر لوگوں کو ہنسایا کرتے تھے میں اُن کی نقلیں اُتار کر دوستوں کو ہنسایا کرتا تھا۔ سانپ کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا۔ لہٰذا سات سال کی عمر میں میں نے ہاتھ میں لاٹھی پکڑی۔ سانپ ہمارے علاقے میں بڑی کثرت سے ہوتے تھے۔ جہاں سانپ دیکھا بڑی مہارت سے اس پر لاٹھی مار دی۔ مجھے یاد ہے میں نے دس سال کی عمر تک بے شمار سانپ مارے تھے۔ ہمارے گھر میں نیا نیا گراموفون آیا۔ اس پر کُھلے منھ کا بھونپو فِٹ تھا۔ اس گراموفون پر رِکارڈ رکھا جاتا اور چابی دے کر چلایا جاتا تو بھونپو سے آواز نکلتی۔ سارے گاؤں کے جوان اور بوڑھے گراموفون سننے کے لیے ہمارے گھر میں جمع ہوتے تھے۔

خاندان کے لوگ اردو کے علاوہ فارسی بھی پڑھتے تھے۔ میں نے نو سال کی عمر میں شیخ سعدی کی کتاب گلستان پڑھ لی تھی۔ سندباد جہازی اور حاتم طائی کی کہانیاں بھی بڑے شوق سے پڑھیں۔ گاؤں میں بجلی نہیں تھی، اس لیے کورس کی کتابیں اور کہانیوں کی کتابیں چراغ کی روشنی میں پڑھیں۔ پانچویں چھٹی میں سنٹر فارورڈ کی پوزیشن پر ہاکی بھی خوب کھیلی۔ برسات کے دنوں میں ہمارے گاؤں کے آس پاس کھیتوں اور باغوں میں کروڑوں کی تعداد میں جگنو جگمگاتے دکھائی دیتے اور میں جگنو پکڑ کر مٹھی میں بند کر لیتا۔ مٹھی کھولتا تو جگنو بے جان کیڑا دکھائی دیتا۔ میں اسے آزاد کر دیتا۔

ضروری ہدایات

اخبار نونہال کے لیے خبریں اور معلومات بھیجنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ خبر یا معلومات جس اخبار یا رسالے وغیرہ سے لیتے ہیں، اس کا تراشہ یا کم سے کم اخبار یا رسالے کا نام اور تاریخ ضرور لکھیں۔ بعض نونہال من گھڑت یا غیر معتبر خبریں بنا کر بھیج دیتے ہیں جو شائع نہیں کی جاسکتیں۔ خبریں اور معلومات معیاری اور دلچسپ ارسال کرنی چاہییں۔ (ادارہ)

سارے بچوں کی پہلی پسند!

گارنٹی کے ساتھ پنسل کی نوک نہیں توڑتے

انڈس شارپنر

ایک شوخ تحریر

اللہ میری توبہ

شہناز پروین، کراچی

"اوہو! آج تو بہت سے کام کرنے ہیں۔ چنکو، پنکو، مونی اور ٹوٹو کے اسکول کی وردی لانی ہے۔ فر کے کوٹ شہر لے جاکر فروخت کرنے ہیں اور اپنے لیے جوتوں کی ایک جوڑی خریدنی ہے۔" سفید اور موٹے خرگوش چیاؤ نے نیند سے اٹھتے ہی سوچا۔ پھر وہ جلدی سے پلنگ سے نیچے اُترا اور ہاتھ منھ دھونے کے بعد تیار ہونے لگا۔

خرگوش چیاؤ، خرگوشن اور ان کے چار بچّے چنکو، پنکو، مونی اور ٹوٹو شہر سے دور جنگل میں ہرے بھرے درختوں کے درمیان رہتے تھے۔ وہاں آس پاس کچھ اور خرگوش بھی رہتے تھے۔ وہاں جنگل میں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے جانور اور پرندے تھے۔

چیاؤ تیار ہو کر ناشتا کرنے باورچی خانے کی طرف گیا۔ اس کی بیوی ٹیمی وہاں پہلے سے موجود تھی اور ناشتے کے لیے کیک بنا رہی تھی۔

"یہ آج تم صبح صبح اٹھ کر کیوں تیار ہو گئے؟" ٹیمی نے پوچھا۔

چیاؤ نے جواب دیا، "آج میں شہر جا رہا ہوں۔ بہت سے کام کرنے ہیں۔"

ٹیمی نے کہا، "تو پھر میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گی۔ کل بی فاختہ شہر سے میرے ماموں کا خط لائی تھیں۔ میری ممانی بہت بیمار ہیں۔ مجھے ان کی خیریت پوچھنے جانا ہے۔"

چیاؤ نے کہا، "ضرور چلو۔ مگر ہمارے یہ چاروں شریر بچّے اکیلے ہوں گے تو اور بھی شرارتیں کریں گے۔ اِن کو کس کے پاس چھوڑ کر جائیں۔"

ٹیمی نے سمجھاتے ہوئے کہا، "یہ اب بڑے ہو گئے ہیں اور اکیلے رہ سکتے ہیں۔ رہی شرارتیں تو وہ سب بچّے کرتے ہی ہیں۔ میں ان سے کہہ جاؤں گی کہ گھر کے اندر ہی رہیں اور باہر بالکل نہ نکلیں۔ ہم شام سے کافی پہلے واپس آجائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" چیاؤ راضی ہو گیا۔

"چنکو، پنکو، مونی اور ٹوٹو۔ جلدی سے آکر ناشتا کرلو۔" ٹیمی نے بچوں کو آواز دی۔ چاروں

شریر بچے بھاگتے ہوئے اندر آئے اور کیک پر پل پڑے۔ "ارے ارے، آرام سے کھاؤ اور ذرا تمیز سے بیٹھو۔" چیاؤ نے ان کو سمجھایا مگر بچوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

ٹیمی اندر سے تیار ہو کر آئی تو چاروں بچے ناشتا کر چکے تھے۔ ٹیمی نے اپنی ممانی کے لیے پھولوں کا ایک گل دستہ بنایا اور کچھ گاجریں بھی ساتھ لے لیں۔ خرگوش نے ٹوکری اٹھائی، کوٹ پہنا اور باہر کی طرف چلا۔ ٹیمی نے جاتے جاتے بچوں کو سمجھایا:

"دیکھو بچو! ہم دونوں کچھ دیر کے لیے شہر جا رہے ہیں۔ تم سب گھر کے اندر ہی رہنا اور باہر بالکل مت نکلنا۔ بھوک لگے تو باورچی خانے سے کھانا لے لینا مگر گندگی نہ کرنا۔ فضول شرارتیں کرنے کے بجائے گنتی یاد کرنا۔ ہم شام سے پہلے واپس آ جائیں گے۔"

"جی اچھا۔" چاروں نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا۔

چیاؤ اور ٹیمی شہر چلے گئے۔ چاروں بچوں کو تو گویا موقع مل گیا۔ انھوں نے گنتی یاد کرنے یا آرام سے بیٹھنے کے بجائے خوب شرارتیں کیں۔ کھیلتے کھیلتے پنکو برتنوں کی الماری میں گھس گیا اور نئی چائے دانی توڑ دی۔ چنکو نے سارے نئے کپڑے الماری سے نکال کر کمرے میں ڈھیر لگا دیا اور ان پر کودنے لگا۔ مونی بھی بڑی شیطان تھی۔ اس نے دو میزوں کی پھسلنی بنائی اور اس پر پھسلنے لگی۔ ٹوٹو کیوں پیچھے رہتا۔ اس نے اپنے ابو کی کتابیں نکالیں اور پین سے ان پر الٹی سیدھی لکیریں کھینچنے لگا۔

کچھ دیر بعد چاروں کا اِن شرارتوں سے دل بھر گیا تو انھوں نے باورچی خانے میں کھانا کھایا اور خوب ہڑبونگ مچائی۔ اس سے بھی اُکتا گئے تو ان کا دل کچھ اور شرارت کرنے کو چاہا۔

چنکو نے کہا، "چلو باہر چلتے ہیں۔ ندی کے کنارے کچھوے چچا کو تنگ کریں گے۔"

"ہاں ہاں! کچھوے چچا کو ستانے میں بڑا مزہ آتا ہے۔" مونی نے بھی حمایت کی۔

اب چاروں گھر سے نکل آئے۔ حال آنکہ ان کی امی نے باہر نکلنے سے منع کیا تھا۔ ندی ان کے گھر سے ذرا دور تھی۔ یہ سب کودتے پھاندتے چلے جا رہے تھے کہ راستے میں بھیڑیے نے انھیں دیکھ لیا۔ بھیڑیا تو بہت خوش ہوا۔ اس نے ان چاروں کو کھانے کا پروگرام بنایا۔ بھیڑیے کا نام بھوبھو تھا اور وہ ان چاروں کو اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ بہت شریر ہیں۔ بھوبھو کے پاس بے ہوش کرنے والی دوا تھی۔ اس نے یہ دوا مٹھائی خرید کر اس میں ملائی اور چنکو، پنکو، مونی اور ٹوٹو کے پاس گیا۔

"پیارے بھتیجو! اور پیاری بھتیجی مونی! دیکھو میں تمھارے لیے کیا لایا ہوں۔" بھیڑیے نے

مٹھائی دکھا کر ان سے کہا۔

چاروں نے جھپٹ کر بھیڑیے کے ہاتھ سے مٹھائی لی اور کھانے لگے۔ حال آنکہ سب چھوٹے جانور اپنے بچوں کو سمجھاتے تھے کہ کبھی بھی کسی بھیڑیے یا لومڑی سے کوئی چیز لے کر مت کھانا۔ مگر ان چاروں کو اس وقت کچھ یاد نہ تھا۔ کچھ ہی دیر بعد چاروں بے ہوش ہو گئے۔ بھیڑیے نے ایک تھیلے میں چاروں بچوں کو ڈالا اور سیٹی بجاتا اور چھڑی گھماتا اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔

گھر جا کر اس نے اپنی ملازمہ مومو بلّی کو آواز دی:

"مومو! مومو! جلدی سے آؤ اور یہ تھیلا اندر لے جاؤ۔ اس میں کل دوپہر کے لیے کھانا ہے۔ ان چاروں کو احتیاط سے کمرے میں بند کر دو۔ کل صبح میں ان کو کاٹوں گا۔" مومو دوڑتی ہوئی آئی اور تھیلا گھسیٹ کر اپنے کمرے میں لے گئی۔ جب اس نے تھیلا کھولا تو اس میں چنکو، پنکو، مونی اور ٹوٹو تھے۔ مومو کو ان چاروں پر بڑا ترس آیا۔ اس نے زمین پر گھاس پھونس بچھا کر ان کے لیے بستر بنایا اور چاروں کو اس پر لٹا دیا۔ کچھ ہی دیر بعد چاروں کو ہوش آ گیا۔

سب سے پہلے چنکو نے کہا، "ہم یہ کہاں آ گئے ہیں؟"

مونی نے پوچھا، "ہم کو تو بھو بھو چچا نے مٹھائی دی تھی اور اس کے بعد ..... اس کے بعد کیا ہوا تھا؟"

"اس کے بعد تم بے ہوش ہو گئے اور کل تک مرحوم بھی ہو جاؤ گے۔ بھیڑیا بھو بھو تمھیں کل دوپہر کے کھانے میں تل کر کھائے گا۔" مومو اندر آتے ہوتے بولی۔ یہ سنتے ہی چاروں رونے لگے۔

"مگر آپ کون ہیں؟" ٹوٹو نے مومو سے پوچھا۔ "میں مومو ہوں۔ تمھاری پھوپھی اماں لگتی ہوں، دُور کی۔ مگر تم مجھے یہ بتاؤ کہ آخر تمھیں بھو بھو سے لے کر مٹھائی کھانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا تمھارے امّی ابو نے تم کو بھو بھو سے لے کر چیزیں کھانے سے منع نہیں کیا تھا؟" مومو نے پوچھا۔

پنکو نے رونی صورت بنا کر کہا، "منع تو کیا تھا۔ مگر اب کیا ہوگا؟"

مومو نے کہا، "ابھی تم سو جاؤ میں کوئی ترکیب سوچتی ہوں۔"

سب لیٹ تو گئے، مگر نیند کیسے آتی؟ اُدھر چپاؤ اور پٹمی جب شہر سے واپس آئے تو گھر کا حشر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ برتنوں کی کھلی الماری میں چائے دانی ٹوٹی پڑی تھی۔ چپاؤ کی کتابیں اُلٹی سیدھی

لکیروں سے بھری پڑی تھیں۔ سارے کپڑے کمرے کے بیچ میں بکھرے پڑے تھے۔ باورچی خانہ کباڑ خانہ بنا ہوا تھا اور میزیں اُلٹی سیدھی پڑی تھیں۔ دونوں کو بہت غصہ آیا۔ چیاؤ غصے سے بولا:

"آج میں ان کو سیدھا کر کے چھوڑوں گا۔ کہاں ہیں یہ سب؟"

دونوں نے بچوں کو آوازیں دیں پھر سارا گھر چھان مارا۔ گھر کے باہر باغ بھی دیکھ لیا۔ مگر بچے ہوتے تو ملتے۔ اب یُمی نے رونا شروع کر دیا۔

چیاؤ یُمی کو لے کر جنگل میں اپنے بچوں کو ڈھونڈنے نکلا۔ جب وہ کہیں نہیں ملے تو انھوں نے جنگل کے جانوروں کے گھروں سے پوچھنا شروع کیا۔

چیاؤ نے کٹ کٹ گلہری کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

گلہری نے دروازہ کھول کر پوچھا، "کیا بات ہے؟"

"آپا کٹ کٹ! آپ نے چنکو، پنکو، مونی اور ٹوٹو کو کہیں دیکھا ہے؟" چیاؤ نے پوچھا۔

"نہیں بھیّا چیاؤ مگر ہوا کیا ہے؟" کٹ کٹ نے پوچھا۔

"ہم شہر گئے تھے۔ چاروں طرف گھر پر تھے مگر اب وہ وہاں نہیں ہیں۔ سارا جنگل چھان مارا۔" یہ کہہ کر چیاؤ رونے لگا۔

"فکر نہ کرو۔ مل جائیں گے۔ سچ پوچھو تو تمھارے بچے ہیں بڑے شریر۔ کہیں دُور نکل گئے ہوں گے۔ چلو میں بھی تمھارے ساتھ چلتی ہوں۔" کٹ کٹ نے کہا اور اپنے گھر کو تالا لگا کر چیاؤ اور ٹیمی کے ساتھ چل پڑی۔

اب یہ سب ایک دوسرے خرگوش کے گھر گئے۔ اس سے پوچھا مگر اسے بھی پتا نہیں تھا۔ وہ خرگوش بھی ان تینوں کے ساتھ چل پڑا۔ اب یہ چار ہوگئے۔ گلہری کٹ کٹ نے کہا، "اگر ہم ایک ایک گھر میں گئے تو دیر ہو جائے گی۔ ہم سب الگ الگ سمتوں میں جاتے ہیں۔ میں مشرق کی طرف جاتی ہوں۔ چیاؤ مغرب کی طرف۔ ٹیمی شمال کی طرف اور یہ خرگوش گومبی جنوب کی طرف جائے۔ اس طرح جلدی پتا چل جائے گا۔"

اب یہ سب الگ الگ روانہ ہوئے۔ سب جانوروں کے دروازے کھٹکھٹائے مگر کہیں سے بھی خرگوش کے بچوں کا پتا نہیں چلا۔ یہ ضرور ہوا کہ جس جانور کو پتا چلا کہ چیاؤ کے بچّے گم ہو گئے ہیں وہ بھی ان کو ڈھونڈنے نکل کھڑا ہوا۔

آخر یہ سب اسی جگہ اکھٹے ہوئے جہاں سے الگ الگ روانہ ہوئے تھے۔ مگر اب جانوروں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ سارے جنگل میں خبر پھیل گئی اور سب سوچ رہے تھے کہ اب کیا کیا جائے۔

خارپُشت نے سوال کیا، "کسی نے بھیڑیے کے گھر سے پوچھا؟"

چیاؤ نے کہا، "نہیں، کم از کم میں نے تو نہیں پوچھا۔"

ٹیمی نے کہا، "اور میں نے بھی نہیں۔"

گومبی اور کٹ کٹ نے بھی انکار کر دیا۔

لومڑی نے کہا، "دراصل بھیڑیے کا گھر تو جنگل سے باہر ہے، اسی لیے کوئی وہاں نہیں گیا۔" "چلو اب چلتے ہیں۔"

چیاؤ نے کہا، "صرف میں اور ٹیمی جاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ زیادہ جانوروں کو دیکھ کر بھیڑیا بچوں کو فوراً مار دے۔"

وہ دونوں بھیڑیے کے گھر پہنچے۔

"ٹھک ٹھک۔"

"کون ہے بھئی ؟" اندر سے مومو نے کہا۔
" میں ہوں چیاؤ۔ کیا تم نے میرے بچوں کو کہیں دیکھا ہے ؟"
اتنے میں مومو نے دروازہ کھولا اور آہستہ سے کہا، " بھیا چیاؤ! تمھارے چاروں بچوں کو بھیڑیا اٹھالایا ہے اور کل ان کو کھا جائے گا۔ تم فوراً ان کو چھڑانے کی ترکیب سوچو مگر بھیڑیے کو مت بتانا کہ میں نے تم کو بتادیا ہے۔"
" کون ہے مومو۔" اندر سے بھیڑیا غرّایا۔
مومو نے جواب دیا، " چیاؤ اپنے بچوں کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔"
بھیڑیا دوڑتا ہوا دروازے پر آیا اور بولا، " بچے ؟ کیسے بچے ؟"
" میرے بچے کیا تم نے انھیں دیکھا ہے۔" چیاؤ نے پوچھا۔
بھیڑیے نے فوراً جھوٹ بولا، " نہیں ! میں تو صبح سے گھر میں ہوں۔ آج دراصل میرے سر میں کچھ درد ہے۔" اچھا، " اب ہم چلتے ہیں۔" چیاؤ نے کہا اور چل پڑا۔
واپس جاکر اس نے ساری بات سب جانوروں کو بتائی اور سب بچوں کو چھڑانے اور بھیڑیے کو سبق

سکھانے کی ترکیب سوچنے لگے۔ آخر انھوں نے ایک طریقہ سوچ ہی لیا۔ سب نے مل کر جنگل سے بیلیں اکھٹّی کیں اور ایک بڑا سا جال بنایا۔ جب جال تیار ہوگیا تو سب بھیڑیے کے گھر کی طرف چلے۔

"ٹھک ٹھک ٹھک!!" بھیڑیے کے گھر پہنچ کر خرگوش نے دروازہ کھٹ کھٹایا۔

"کون؟"

"ذرا باہر آنا بھوبھو بھائی!" خارپُشت نے کہا۔

جیسے ہی بھیڑیے نے دروازہ کھول کر گھر سے باہر قدم نکالا تو سب نے مل کر جال پھینکا اور بھیڑیا اس میں پھنس گیا۔ اب سب جانوروں نے ایک ایک ڈنڈا اٹھالیا تاکہ بھیڑیے کی پٹائی کریں۔ موموفوراً اندر سے چیاؤ کے بچوں کو باہر لے آئی۔ اس نے کھڑکی سے سارا تماشا دیکھ لیا تھا۔ چاروں بچے بھاگ کر اپنی امّی اور اپنے ابّو کے پاس چلے گئے۔ ادھر بھیڑیا بہت پریشان تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب وہ پکڑا گیا ہے تو زور زور سے رونے لگا۔

"کیوں بھوبھو! اب بچّے تمھارے گھر سے کیسے نکلے؟ انھیں کون یہاں لایا تھا؟" چیاؤ نے پوچھا۔

"بھوں ں ں ں ..... ہائے اب کیا کروں؟ بھائیو! اب میں توبہ کرتا ہوں کہ کسی کے بچّوں کو نہیں پکڑا کروں گا۔ مجھے معاف کردو۔ اپنے اپنے ڈنڈے پھینک دو۔" بھیڑیا پھر رونے لگا۔ وہ بار بار سب سے معافی مانگ رہا تھا کہ اب میں کبھی کسی کو تنگ نہیں کروں گا۔ اللّٰہ میری توبہ۔

آخر سب نے مشورہ کر کے بھیڑیے کو معاف کردیا مگر وہ جال سنبھال کر رکھا تاکہ آئندہ جب وہ کوئی کوئی شرارت کرے تو اسے پکڑا جاسکے۔

گھر پہنچ کر چیاؤ اور ٹیمی نے بچوں کو سمجھایا کہ شرارت اور بڑوں کی بات نہ ماننے کا انجام بُرا ہوتا ہے۔ چاروں بچے خوب اچھی طرح سمجھ چکے تھے اور اب اچھے بچّے بن گئے۔ انھوں نے اپنے امّی ابّو سے وعدہ کیا کہ اب وہ کبھی ان کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اب چاروں روزانہ پابندی سے اسکول جاتے ہیں مگر جب وہ کپڑے بدلنے کے لیے الماری سے کپڑے نکالتے ہیں تو ان کو وہ جال نظر آتا ہے جو اُن کی امّی نے سب سے اوپر ٹانگ رکھا ہے۔ اس کی ہری ہری بیلیں اب سوکھ کر کالی ہوگئی ہیں مگر جال اور مضبوط ہوگیا ہے۔ یہ جال چاروں کو ان کا وعدہ یاد دلاتا رہتا ہے۔

سرورق کی کہانی

زبان کا زخم

شفیق بدر، کراچی

ایک بار ایک بادشاہ شکار کھیلنے گیا۔ جنگل میں وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ وہ بہت پریشان ہوا۔ تنہا جنگل میں اچانک ہی اسے شیر نے آلیا۔ اتفاق سے ایک کسان بھی اسی وقت اُدھر آنکلا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تو آگے سے مُڑی ہوئی لکڑی تھی اور دوسرے میں درانتی۔ شیر بادشاہ پر حملہ کرنے ہی کو تھا کہ کسان نے پُھرتی سے آگے سے مُڑی ہوئی لکڑی اس کے گلے میں ڈال کر دوسرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی درانتی سے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ شیر مارا گیا اور بادشاہ کی جان بچ گئی۔

بادشاہ نے کسان کو انعام کے طور پر ایک گاؤں کی نمبرداری کے ساتھ بہت سی زمین دی اور کہا، "ہر تہوار کے موقع پر ہمارے محل میں ہمارے دوستوں، عزیزوں اور رشتے داروں کی خاص دعوت ہوتی ہے، تم اب ہمارے خاص دوستوں میں شامل ہو گئے ہو، اس لیے ہم تمھیں ہر تہوار پر محل آنے کی دعوت دیتے ہیں۔" کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ ایک تہوار آگیا۔

بادشاہ کے محل میں دعوت ہوئی جس میں کسان بھی شریک ہوا۔ اس بے چارے کے کپڑے معمولی

اور پُرانے تھے اور اسے بادشاہوں کی محفلوں میں اُٹھنے بیٹھنے کا ادب وسلیقہ بھی نہ تھا۔ اس تقریب میں اس سے کئی غلطیاں ہوئیں۔ کھانے کے لیے وہ بادشاہ کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

بادشاہ اس پر بڑا ناراض ہوا اور اس سے کہنے لگا، "تم تو گنوار کے گنوار ہی رہے۔ چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں کر سکتے۔ بہتر یہی ہے کہ اسی وقت اُٹھ جاؤ۔" کسان شرمندہ ہو کر وہاں سے چلا آیا اور کئی سال تک بادشاہ کے پاس نہ گیا۔

ایک دن بادشاہ سیر کو نکلا۔ وہ ایک شان دار گاڑی میں سوار تھا جسے گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ اس کی گاڑی ایک تنگ پل پر سے گزرنے لگی تو اچانک ہی ایک طرف سے گاڑی کا پہیا نکل گیا اور اگر اسی وقت اسے سہارا دے کر اس کی اونچائی دوسرے پہیے کے برابر نہ کی جاتی تو بادشاہ کی گاڑی دریا میں گر جاتی۔ اتفاق یہ ہوا کہ وہ کسان بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس نے پہیا نکلتے ہی گاڑی کو اپنے بازو پر سنبھال کر گرنے سے بچا لیا۔

اس مرتبہ بادشاہ کسان کی اس خدمت سے اس قدر خوش ہوا کہ اس نے کسان کو اپنے ساتھ لے جا کر کئی روز اپنے ہاں مہمان رکھا۔ اور چلتے وقت بہت سا انعام دے کر ہمیشہ آتے رہنے کی تاکید کی۔

کسان نے کہا، "بادشاہ سلامت! میں نے دو دفعہ آپ کی جان بچائی ہے۔ اب حضور بھی میری ایک بات مان لیں۔ میرے سر میں شدید درد رہتا ہے۔ بہت علاج کرایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اب اس کا آخری علاج یہ ہے کہ آپ تلوار سے ہلکا سا زخم میری پیشانی پر لگا کر تھوڑا سا خون نکال دیں۔ بادشاہ پہلے تو ہرگز مانتا نہ تھا مگر کسان کے بہت اصرار پر اس نے اپنی تلوار سے کسان کی پیشانی پر ہلکا سا زخم لگا دیا۔ کسان زخم کھا کر اپنے گھر واپس چلا گیا۔ چند روز میں معمولی علاج سے زخم بھی اچھا ہو گیا۔ کچھ دن بعد بادشاہ نے اسے اپنے پاس بلا کر حال پوچھا تو کسان نے عرض کیا، "بادشاہ سلامت! ملاحظہ فرمائیے کہ اللہ کے فضل سے تلوار کے زخم کا اب نشان تک نہیں رہا، مگر پہلی دعوت میں حضور کے "بدتمیز" "گنوار" کہنے اور محفل سے کھڑے کھڑے نکال دینے کا زخم اب تک میرے دل پر بالکل تازہ ہے۔"

یہ سن کر بادشاہ نے شرمندگی سے اپنی گردن جھکا لی اور کہا، "بے شک! تم سچے ہو۔ میں ہی غلطی سے داناؤں کے اس قول کو بھول گیا تھا کہ تلوار کا زخم بھر جاتا ہے مگر زبان کا زخم کبھی نہیں بھرتا۔ میں تمھیں نرمی سے بھی ادب آداب سمجھا سکتا تھا، مگر غصے نے میرے دماغ اور زبان کو خراب کر دیا تھا۔ میں شرمندہ ہوں۔"

ایک گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ وہ صبح سے شام تک کھیتوں میں کام کرتا تھا۔ کھیتوں کی مکمل پہرے داری کرتا، مگر جب فصل پک کر تیار ہو جاتی تو گاؤں کا سردار اس کی ساری فصل زبردستی لے لیتا اور اُسے تھوڑا سا حصّہ دے دیتا۔ کسان اور اس کی بیوی کی بڑی مشکل سے گزر اوقات ہوتی تھی۔

ایک دن کسان کھیت میں کھُدائی کر رہا تھا۔ بے خیالی میں وہ زیادہ گہری زمین کھود گیا۔ اچانک ہی اُسے محسوس ہوا کہ زمین کے اندر کچھ ہے۔ اس نے بڑی مشکل سے وہاں سے ایک صندوق نکالا۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ اس نے صندوق کو کھولا۔ اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ صندوق ہیرے اور جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ اُس نے سوچا کہ اس بات کا علم گاؤں کے سردار کو نہیں ہونا چاہیے ورنہ وہ اس کو زبردستی چھین لے گا۔

وہ خزانے کو چھپتے چھپاکر گھر لے گیا۔ اس نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ اس دولت کو کہاں چھپایا جائے؟ بیوی نے جواب دیا کہ اس کو ہم صحن میں دفن کر دیتے ہیں۔ کسان نے ایسا ہی کیا۔

کچھ دیر بعد اس کی بیوی کہنے لگی کہ میں پانی بھرنے جا رہی ہوں۔ بیوی کے جانے کے بعد کسان سوچ میں پڑ گیا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ میری بیوی اس دولت کا ذکر دوسری عورتوں سے ضرور کرے گی اور پھر اس راز کا علم سردار کو بھی ہو جائے گا۔ یہ خیال آتے ہی کسان اُٹھا اور ہیروں سے بھرا صندوق صحن سے نکالا اور گھر سے باہر ایک خفیہ جگہ میں دفن کر دیا اور واپس آ گیا۔ جب اس کی بیوی گھر آئی تو اس نے سنجیدگی سے کہا، "کل ہم جنگل سے مچھلیاں پکڑ کر لائیں گے۔" بیوی نے حیران ہو کر کہا، "مچھلیاں اور جنگل سے؟ خوشی سے تمھارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" کسان مسکرا کر بولا کہ کل تم جب جنگل جاؤ گی تو خود ہی دیکھ لینا۔

اگلے دن کسان سورج نکلنے سے پہلے گھر سے نکلا اور گاؤں کے مچھیرے سے بہت ساری تازہ مچھلیاں خرید لایا۔ اس نے تندور سے روٹیاں بھی خریدیں اور جنگل کی طرف چل پڑا۔ وہاں ایک جگہ دیکھ کر اس نے مچھلیاں زمین پر پھیلا دیں اور کچھ آگے جا کر درختوں پر روٹیاں لٹکا دیں۔ یہ سب کام کر کے وہ گھر واپس آ گیا۔ اس کی بیوی ابھی تک سو رہی تھی۔

جب سورج نکلا تو کسان اپنی بیوی کو لے کر جنگل کی طرف چل پڑا۔ اس کی بیوی نے زمین پر مچھلیاں دیکھیں تو حیران رہ گئی۔ پھر اُس نے ان سب مچھلیوں کو اپنی ٹوکری میں رکھ لیا۔ آگے جا کر درختوں پر روٹیاں دیکھیں تو کسان سے کہنے لگی، "درختوں پر روٹیاں لگی ہوئی ہیں۔" کسان نے کہا، "یہاں روٹیوں کی بارش ہوتی ہے۔ کچھ روٹیاں درختوں پر اٹک جاتی ہیں۔" اس کی بیوی بڑی حیران ہو رہی تھی۔

کسان اور اس کی بیوی کے دن پھر گئے۔ اب وہ پہلے سے زیادہ اچھا کھانے لگے۔ تھوڑے دن بعد ہر طرف یہ بات پھیل گئی کہ کسان کو کوئی خزانہ مل گیا ہے۔ اب یہ راز بھی نہیں رہا تھا۔ ہر کوئی جانتا تھا کہ خزانہ اُس نے گھر کے صحن میں چھپا رکھا ہے۔ پھر بھلا یہ بات سردار سے کیسے چھپی رہ سکتی تھی۔ پہلے اس نے کسان کی بیوی کو اور پھر کسان کو اپنے ہاں بلوایا۔ کسان جب سردار کے پاس گیا تو سردار نے کہا، "کیا یہ سچ ہے کہ تمھیں ہیرے جواہرات سے بھرا صندوق ملا ہے؟" کسان نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ سردار نے گرج کر کہا، "تمھاری بیوی مجھے

سب کچھ بتا چکی ہے۔"

کسان نے ہاتھ جوڑ کر کہا، "میری بیوی کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ تو آج کل اُلٹی سیدھی باتیں کرنے لگی ہے۔"

جب کسان کی بیوی نے یہ سُنا کہ اُس کا شوہر اُسے پاگل کہہ رہا ہے تو وہ غصّے سے بولی، "حضور! جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ حقیقت ہے۔ یہ صندوق ہمارے صحن میں دفن ہے۔" سردار نے خوش ہو کر پوچھا، "یہ ہیرے جواہرات کا صندوق کس دن ملا تھا؟" کسان کی بیوی نے کہا، "اُس صبح کو جس کے ایک دن بعد ہم جنگل سے مچھلیاں پکڑنے گئے تھے۔ یہ سچ ہے۔ یہ وہ دن تھا جب آسمان سے پکی پکائی روٹیوں کی بارش ہوئی تھی۔"

"یہ عورت تو واقعی پاگل ہے۔" سردار نے مسکراتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ سردار کے ایک خادم نے سردار کے کان میں کچھ کہا۔ سردار نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ کسان کے گھر جاؤ اور صحن کھود کر خزانے کا پتا لگاؤ۔

خادموں نے سارا صحن کھود ڈالا، مگر وہاں انھیں کوئی خزانہ نظر نہ آیا۔ وہ سب واپس چلے گئے۔ یوں غریب کسان اپنی عقل مندی سے نہ صرف ظالم سردار کے ظلم سے بچ گیا، بلکہ اپنا خزانہ بھی بچا لیا۔

سو برس کی نانی

مصطفٰے چاند

گرمی سے سب کا بُرا حال تھا۔ کاشف چھت پر بیٹھا تھا۔ وقار بھی موجود تھا۔ حسن کبوتروں کی کابک کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ وقت تو پتنگ اُڑانے کا تھا، لیکن دھوپ اس قدر تیز تھی کہ کسی کی بھی پتنگ اُڑانے کی ہمّت نہیں ہو رہی تھی۔ اور نیچے وہ اس لیے نہیں جانا چاہتے تھے کہ کہیں امّی یا دادی انھیں کمرے میں سُلا نہ دیں۔

ابھی انھیں اوپر بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک بادل چھا گئے۔

"ارے یہ کیا ہوا؟" کاشف نے حیرانی سے کہا۔ سب آسمان کو گھورنے لگے۔ چاروں طرف سے کالے کالے بادل امنڈے چلے آ رہے تھے۔

"حسن لگتا ہے بارش ہونے والی ہے۔" وقار نے چاروں طرف گردن گھماتے ہوئے کہا۔

"بارش شروع!" حسن نے اپنے ہاتھ پر پڑنے والی پہلی بوند سب کو جلدی سے دکھائی۔

ابھی وقار اور کاشف اس کے ہاتھ پر گرنے والی بوند دیکھ ہی رہے تھے کہ چھما چھم بارش ہونے لگی۔ آس پاس کی چھتوں پر بھی بچّے ناچنے لگے۔ کاشف، حسن اور وقار بھی ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بارش میں گا رہے تھے:

اللہ میاں پانی دے سو برس کی نانی دے
بات ہماری مان لے پانی دے یا نانی دے

جُوں جُوں وہ گاتے جاتے بارش کی تیزی میں اضافہ ہوتا جاتا۔ اچانک کاشف چلّایا: "ارے! وہ دیکھو، وہ کیا ہے؟" وقار اور حسن کاشف کی انگلی کی سیدھ میں دیکھنے لگے۔ بارش کی شفّاف بوندوں کے بیچ ایک عجیب سی چیز تیزی سے نیچے کی طرف آ رہی تھی۔ اس کا رُخ پہلے دائیں طرف تھا پھر اچانک ہی اس کا رُخ بدلا اور وہ تیزی سے کاشف کی چھت کی طرف آنے لگی۔ "دیکھو حسن! یہ تو ہماری چھت پر ہی آ رہی ہے۔" وقار نے حیران نظروں سے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ دیکھ کر وہ کبوتروں کی کابک کے پیچھے چُھپ گئے۔ اسی وقت وہ چیز اُن کی چھت پر

دھپ کی آواز کے ساتھ گری۔ تینوں نے دیکھا وہ کوئی روئی کے گولے جیسی چیز تھی جو تھوڑی دیر تک یونہی پڑی رہی اور پھر اس نے حرکت کی۔ کاشف کی تو جان ہی نکل گئی۔ حسن بھی تھر تھر کانپنے لگا۔ پھر وہ چیز اُٹھ گئی۔

اسی وقت وقار ہمّت کر کے اُٹھا اور کاٹھ کباڑ کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔

"کاشف! یہ تو نانی لگتی ہے۔" وقار نے اس کے قریب جا کر کہا۔ حسن اور کاشف بھی اُٹھ کر آگے بڑھے۔

"سچ مچ کی نانی؟" حسن نے خوشی سے کہا۔

"سچ مچ کی نہیں، یہ سو برس کی نانی ہے۔" وقار نے عالمانہ انداز میں کہا اور نانی کو قریب سے جا کر دیکھنے لگا۔ وہ ایک چھوٹی سی بُڑھیا تھی جس کے بال رُوئی کی طرح تھے۔ اس کا رنگ بالکل سفید تھا اور ننّھے مُنّے ہاتھ گڑیا کی طرح لگتے تھے۔ وہ ٹکر ٹکر تینوں کو دیکھ رہی تھی۔

کاشف نے اس سے کہا "نانی! تم کیوں آئی ہو؟"

نانی نے بہت میٹھے لہجے میں کہا "بیٹا! بڑوں کو "تم" نہیں "آپ" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔" کاشف نے فوراً معافی مانگی۔ "اچھا نانی آپ کیوں آئی ہیں؟" کاشف نے دوبارہ کہا۔

"مجھے تم لوگوں نے تو بُلایا تھا۔" نانی یہ کہہ کر ہنسیں تو ان کے دانت موتیوں کی طرح چمکنے

لگے۔ وقار دل میں سوچنے لگا کہ یہ کیسی نانی ہیں جو سو برس کی ہیں مگر ان کے دانت ابھی تک ہیں۔

کاشف نے اس سے پوچھا، "نانی! آپ کہاں رہتی ہیں؟"

نانی نے اوپر کی طرف اشارہ کیا، "آسمانوں میں۔"

وقار نے نانی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا، "آپ سے ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں ضرور۔" نانی نے جلدی سے کہا۔

تب وقار نے کہا، "نانی آپ تو سو برس کی ہیں نا! اتنی عمر میں تو لوگ مر جاتے ہیں۔ آپ کیوں نہیں مریں؟" وقار کی اس بات پر کاشف اور حسن نے اسے غصّے سے گھورا۔ اُن کا خیال تھا کہ کہیں نانی ناراض نہ ہو جائیں لیکن نانی نے اس کی بات کا بالکل بُرا نہیں مانا۔

انھوں نے ہنس کر کہا، "بیٹا! انسان مٹّی سے بنا ہے۔ اس کے اندر روح ہے۔ پتا ہے میں کس سے بنی ہوں؟" نانی کے سوال پر تینوں بوکھلا گئے۔

"نہیں! ہمیں نہیں معلوم۔"

"اچھا تو سنو! میں نیکی سے بنی ہوں اور نیکی کبھی نہیں مرتی۔" نانی کی اس بات پر کاشف دنگ رہ گیا۔ یہی حال وقار اور حسن کا بھی تھا۔ نانی نے ان کے پریشان چہروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "شاید تم سمجھے نہیں۔" وقار نے پوچھا، "نانی! تو کیا آپ کو اللہ نے نہیں بنایا؟" وقار کے اس سوال پر نانی آہستہ سے مسکرائیں اور بولیں، "نہیں بیٹا! اس دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ نے نہ بنائی ہو۔ انسان کے جسم میں مٹّی کے جتنے بھی ذرّے ہیں اتنے ہی مجھ میں تھے۔ پھر جوں جوں میں نیکیاں کرتی گئی مٹّی کے ذرّے نیکیوں میں بدلتے گئے۔ میری تمام عمر نیکیوں میں گزر گئی۔ آج میرا پورا جسم نیکیوں کا ہو چکا ہے۔"

نانی کی اس بات پر کاشف، وقار اور حسن ہونّقوں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ نانی کا جسم دیکھتے ہی دیکھتے بڑھنے لگا۔

کاشف بہت دیر بعد بولا، "نانی! اب آپ کہیں جائیں گی تو نہیں؟"

"نہیں کاشف میاں! ہم تو آتے ہی آپ کے پاس ہیں۔" نانی نے کاشف کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

اسی وقت سیڑھیوں پر دوڑتے قدموں کی آوازیں آئیں۔ محلّے بھر کے بچّے نانی کو دیکھنے کو بھاگے چلے آ رہے تھے۔

"ہائے نادیہ! نانی کتنی پیاری سی ہیں۔"

"ہاں! اور دیکھو! یہ تو بالکل جوان بھی لگتی ہیں۔ نانی آپ کی عمر کتنی ہے؟" نادیہ نے پوچھا۔

گڈّو نے شازی سے کہا، "تم تو بالکل احمق ہو۔ جانتی نہیں ہو یہ سو برس کی نانی ہیں۔ ان کا جسم نیکی سے بنا ہے۔"

ایک اور بچّے نے کہا، "ہاں! اور نانی نے یہ بھی بتایا ہے کہ نیکی نہ تو کبھی پُرانی ہوتی ہے نہ بوڑھی۔ بس! نانی بھی جوان ہیں مگر ہم تو انھیں سو برس کی نانی ہی کہیں گے۔"

"لیکن ہم تو انھیں آنٹی کہیں گے۔ دیکھو تو بھلا کیا یہ نانی لگتی ہیں؟"

"ہرگز نہیں بالکل ہماری امّی جتنی ہیں۔"

اسی بحث کے دوران بچّوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ نانی جلدی سے بولیں:

"اگر آپ لوگ یوں لڑنے لگے پھر تو تم سب بہت جلد بوڑھے ہو جاؤ گے۔ پتا ہے لڑنے والے بچّے بہت کم دن زندہ رہتے ہیں۔"

"اُف! یہ کیا ہو گیا" نادیہ سر تھام کر یوں بیٹھ گئی جیسے وہ اگلے ہی لمحے بوڑھی ہو جائے گی۔

نانی سب سے کہنے لگیں، "اب کوئی نہیں لڑے گا"، تمام بچّوں نے اقرار میں گردن گھمائی۔ پھر تو گویا گلی میں انقلاب آگیا۔ مٹّی میں کنچے کھیلتے بچّے نہ معلوم کہاں غائب ہو گئے۔ شریر لڑکوں کی ٹولیوں نے درختوں سے پرندوں کے انڈے چرانے بند کر دیے۔ مدرسوں میں حاضری بڑھ گئی۔ ہر طرف گندگی کے جو ڈھیر تھے وہ غائب ہو گئے۔ ہر جگہ صاف ستھری رہنے لگی۔ نانی ہر روز بچّوں کو اچھی اچھی باتیں بتاتیں۔ لمبی عمر اور جوان رہنے کے گُر بتاتیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ نیکیاں انسان کو ہمیشہ جوان رکھتی ہیں۔ ہر بچّہ نیکی کرنے کے چکّر میں لگا رہتا تھا۔

ارشد اکثر نانی سے پوچھتا "نانی! کیا میں بھی آپ کی طرح بن سکتا ہوں؟"

نانی جواب میں کہتیں، "ہاں کیوں نہیں؟ یہ کون سا مشکل کام ہے۔ جو عہد کرو اُسے پورا کرو۔ بزرگوں کی خدمت کرو۔ دیانت سے کام لو۔ پھر دیکھنا ایک دن تم بھی میری طرح بن جاؤ گے۔"

نانی نے سب سے وعدہ کیا تھا کہ وہ باری باری سب کے پاس رہیں گی، اس لیے سب بے چینی سے نانی کا انتظار کرتے تھے۔

پہلا ہفتہ تو نانی نے گڈو اور جمیل کے ہاں گزارا۔ اب نانی ثمینہ کے گھر پر تھیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہاں کسی دوسرے بچّے کا داخلہ بند ہو۔ بلکہ سب بچّے گھر کا اور مدرسے کا کام کرنے کے بعد نانی کے پاس آجاتے۔ کبھی نانی کہانی سناتیں کبھی لطیفے۔ وہ باتیں اتنی اچھی کرتیں تھیں کہ کوئی بھی نہ اُکتاتا تھا۔

نانی جب تک ثمینہ کے ہاں رہیں ثمینہ نے ان کی خوب خدمت کی۔ اچھے اچھے کھانے کھلائے۔ ان کے لیے وضو کا پانی رکھا، کپڑے استری کیے، رات کو ٹانگیں دبائیں۔ پھر نانی ثمینہ کو دعائیں دیتی ہوئی اس کے گھر سے نکلیں اور احتشام کے گھر پہنچیں۔

جس روز احتشام کے گھر نانی کا آخری دن تھا اسی دن نانی نے جس نئے گھر کا انتخاب کیا وہ ارشد کا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ارشد خوشی سے جھوم جھوم جاتا مگر ارشد کے قدموں سے تو زمین ہی نکل گئی۔ یہ بات نہیں تھی کہ اسے نانی بُری لگتی تھیں یا وہ اُن سے

تنگ آیا ہوا تھا بلکہ ارشد یہ سوچ رہا تھا کہ اب تک نانی جن جن گھروں میں رُکی ہیں وہاں اُن کی خوب خاطر مدارات کی گئی، عمدہ اور لذیذ کھانے، اچھے کپڑے اور بہترین رہائش کا انتظام کیا گیا مگر ارشد کے پاس تو سوائے چھوٹے سے معمولی گھر کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ اُسے یہ فکر تھی کہ کہیں نانی اس کی غربت سے تنگ نہ آجائیں۔

نانی کے اس اعلان کے بعد ارشد منھ سے کچھ نہ بولا اور چُپ چاپ نانی کو لے کر گھر کی طرف چل پڑا۔

ارشد کے گھر نانی کے آتے ہی بچّوں نے بھی اُس کے گھر پر ہلّا بول دیا۔ وہ بہ ظاہر خوش نظر آنے کی کوشش کرتا مگر اندر ہی اندر پریشان رہتا تھا۔ صادق ارشد کی پریشانی کو سمجھ گیا تھا مگر اس کی وجہ وہ بھی معلوم نہ کر سکا۔

ایک دن صادق نے سوچا کہ جب ارشد شام کو گھر پر اکیلا ہوگا تب اس کی پریشانی کے بارے میں ضرور پوچھوں گا مگر شام کو ارشد کے چہرے پر پھیلی ہوئی پریشانی ختم ہو چکی تھی۔ آج وہ عام بچّوں کی طرح خوب قہقہے لگا رہا تھا۔

اگلے روز نانی ارشد کے صحن میں بیٹھی کہانی سُنا رہی تھیں :

"پھر جیسے ہی سانپ نے سر اُٹھایا اُسی وقت ....!" نانی کا جملہ مکمل نہ ہوا۔ اچانک ناصر کی چیخ نکل گئی۔

"اگر تمھیں اتنا ہی ڈر لگتا ہے تو کہانی کے وقت یہاں سے اُٹھ جایا کرو۔" خاور نے غصّے سے کہا۔

ناصر نے نانی کی کلائی کو گھورتے ہوئے کہا، "میں کہانی سے نہیں ڈرا۔ وہ دیکھو.....!" سب کے سب نانی کی کلائی کی طرف دیکھنے لگے۔ کلائی کے آگے سے نانی کا ہاتھ یوں غائب تھا جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔

"نانی.... نانی.....!" سب انھیں جھنجھوڑنے لگے۔ نانی نے کچھ نہ کہا۔ وہ خاموش رہیں پھر انھوں نے دوبارہ کہانی شروع کر دی۔ بچّے کچھ دیر پریشان رہے اور پھر دوبارہ کہانی میں کھو گئے۔

ارشد نے رات کو سوچا کہ نانی کا ہاتھ آخر گیا کہاں....؟ مگر وہ کچھ نہ سمجھ سکا۔

اگلے روز نانی پھر بچّوں کے گھیرے میں بیٹھی کہانی سُنا رہی تھیں۔ کہانی ابھی چل رہی تھی کہ وقار زور سے چیخا۔ اس بار نانی کا پاؤں غائب تھا۔

سارے حیران رہ گئے۔ نانی آج بھی خاموش رہیں۔ سب کو اچھی طرح یاد تھا کہ نانی جب چھت پر اُتریں تھیں تو ان کے جسم کے تمام حصّے پورے تھے۔ مگر....؟

"نانی بتائیں نا کیا ہوا؟" سب بچّے پوچھنے لگے۔

"پہلے کہانی سُن لو پھر کوئی سوال کرنا۔" نانی نے آہستہ سے کہا۔ پھر کہانی ختم ہوئی تو نانی نے انھیں یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ رات بہت ہو چکی ہے۔

وہ رات ارشد کے گھر میں نانی کی آخری رات تھی۔ اُس رات نانی نے ایک چور کی کہانی سُنائی۔ وہ کہانی بہت دل چسپ تھی۔

"پھر اچانک ہی چور پکڑا گیا۔" نانی کے اس جملے پر سب نے خوشی سے تالیاں بجائیں۔ ارشد جھینپ کر پیچھے ہٹ گیا جیسے وہی چور ہو۔

فہیم نے جلدی سے کہا، "نانی! پھر تو چور کے ہاتھ کاٹ دیے گئے ہوں گے۔ وہ بادشاہ تو

بہت انصاف پسند تھا نا.....!"

"ہاں! مگر چور نے سچے دل سے معافی مانگی تو بادشاہ نے اسے معاف کر دیا۔"

آج شازیہ سب سے پہلے چیخی۔ نانی کے کندھے سے پورا بازو غائب تھا۔ آج بھی نانی خاموش رہیں۔ پھر بچوں کی طرح رونے لگیں۔ تمام بچے حیران رہ گئے۔

"نانی! کیا بہت تکلیف ہو رہی ہے؟" ننھے عندلیب نے پوچھا۔

"میرے بچو! تم نے مجھ سے کچھ نہیں سیکھا!" نانی کہنے لگیں، "میری محنت شاید بے کار گئی۔"

"نانی! کیا ہوا نانی؟ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ ہم نے تو آپ کا بازو نہیں توڑا..... ہم نے تو آپ کا پیر نہیں کاٹا.....!" سب بچے روتے ہوئے بولنے لگے۔ نانی نے کچھ نہ کہا۔ انھوں نے سب کو جانے کا اشارہ کیا۔ بچے اُٹھنا نہیں چاہتے تھے مگر نانی کا حکم نہیں ٹال سکتے تھے۔ آخر سب چلے گئے۔

ارشد کچھ دیر بیٹھا رہا پھر روتے روتے وہ بھی لیٹ گیا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو نانی اپنے بستر سے غائب تھیں۔ اس نے پورا گھر چھان مارا مگر نانی کہیں دکھائی نہ دیں۔ اچانک اس کی نظر تکیے کے کونے پر پڑی۔ وہاں ایک چھوٹا سا کاغذ پڑا تھا۔ ارشد نے لپک کر کاغذ اُٹھایا۔ لکھا تھا:

بچو!

میں جا رہی ہوں وہاں جہاں سے آئی تھی۔ میں نے تم سے شروع میں کہا تھا کہ میرا وجود نیکی سے بنا ہے۔ مگر ارشد میاں! تم نے اپنی غربت چھپانے کے لیے پہلے تو حسن کے گھر سے گھڑی چرائی اور پھر اُسے بیچ کر میرے لیے اچھے اچھے کھانے پکوائے۔ نیکی میں، جب بُرائی شامل ہو جائے تو پھر نیکی نیکی نہیں رہتی۔ تم نے دیکھ لیا ہو گا کہ چوری کے پیسے سے پکوائے گئے کھانے سے میرا وجود ختم ہونے لگا تھا۔ میں نہیں چاہتی کہ نیکی بالکل ہی ختم ہو جائے۔ میں جا رہی ہوں۔ ہاں میری ایک بات یاد رکھنا۔ چوری کبھی نہ کرنا۔ یاد ہے تم نے مجھ سے ایک بار پوچھا تھا کہ میں بھی نیکیوں سے اپنے وجود کے ہر ذرّے کو نیک بنانا چاہتا ہوں تاکہ ہمیشہ جوان رہوں۔ بس اپنی پہلی چوری پر اللہ میاں سے سچے دل سے معافی مانگو اور نیک کام کرتے

رہو۔ تمھارا وجود بھی نیکیوں سے بن جائے گا اور ہاں سب خوب دل لگا کر پڑھتے رہو۔ جب میں دیکھوں گی کہ تم سب لوگ میری نصیحتوں پر عمل کرتے رہے ہو تو برسات کے موسم میں کسی دن میں پھر تمھاری چھت پر آؤں گی۔ میرا انتظار کرنا۔ تمھاری سو برس کی نانی

ارشد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ نانی کو اس کی چوری کا علم ہو جائے گا۔ اس رات ارشد نے سچے دل سے اللہ کے حضور معافی مانگی اور نیکی کی تلاش میں لگ گیا۔

وہ "گل پور" جو کبھی چھوٹے چھوٹے گھروں پر مشتمل تھا اب وہاں اونچی اونچی عمارتیں کھڑی ہیں۔ اُسی بستی میں ایک بوڑھا اب بھی رہتا ہے۔ لوگ حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ اتنی عمر گزرنے کے باوجود بھی وہ بوڑھا کیوں نہیں لگتا۔ تب وہ کہتا ہے کہ نیکی کبھی بوڑھی نہیں ہوتی۔

دیکھو

فرزانہ کوکب، بھکر

دیکھو.... اپنے سے زیادہ امیر کی طرف، لیکن اس طرح سے نہ دیکھو کہ اُن کی آسائش اور امارت دیکھ کر تم میں حسد جیسا موذی جذبہ پیدا ہو۔ بلکہ دیکھو تو یوں کہ بے اختیار تمھارے منھ سے یہ دُعا نکلے: "اے اللہ! انھیں اور نواز۔"

دیکھو.... غریبوں کی طرف، مگر اس طرح نہیں کہ انھیں دیکھ کر تم حقارت محسوس کرو، کیوں کہ یہ حقارت غرور پیدا کر دیتی ہے۔ بلکہ اس طرح دیکھو کہ تمھارے دِل سے بے اختیار دُعا نکلے: "اے اللہ! ان پر کرم کر۔ ان کو خوش حال بنا اور مجھے توفیق دے کہ میں اپنی حیثیت کے مطابق ان کی مدد کروں۔"

پھر دیکھو اپنے آپ کو مگر اس طرح نہیں کہ تم میں کم تر یا برتر ہونے کا احساس پیدا ہو۔ بلکہ غور کرو کہ تمھاری جائز ضروریات اور زندگی کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں یا نہیں اور تم ایک سیدھی سادھی اور سکون کی زندگی بسر کر رہے ہو یا نہیں۔ اس لیے دیکھو اپنے آپ کو اس طرح کہ بے اختیار تمھارے دِل سے یہ دُعا نکلے: "اے اللہ! تیرا شکر ہے۔ تب کوئی عجب نہیں کہ تم ایک صاف ستھری، با اخلاق اور اطمینان بھری زندگی گزارو۔"

ہمدرد انسائکلوپیڈیا

س : لوگ کہتے ہیں کہ چیونٹیوں کی آنکھیں نہیں ہوتیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟
شازیہ صابر، لاہور

ج : چھوٹے موٹے کیڑوں مکوڑوں کے آنکھیں ہوتی ہیں لیکن اتنی مختصر کہ نہ ہونے کے برابر۔ وہ ہماری طرح اُن سے دُور تک نہیں دیکھ سکتے۔ البتہ اُنھیں قدرت نے دوسرے کچھ ایسے حواس عطا کیے ہیں جن سے بینائی کی کمی پوری ہو جاتی ہے۔ مثلاً سونگھنے کی قوت جس سے یہ کیڑے اپنی غذا تلاش کر لیتے ہیں اور آسانی سے اُس تک پہنچ جاتے ہیں۔

س: خلائی جہاز چاند کی سطح کے پاس پہنچ کر اُلٹا کیوں ہو جاتا ہے؟
فاطمہ افشاں، کراچی

ج : چاند کی سطح پر اُترتے کے لیے خلائی جہاز کا رُخ سیدھا ہوتا ہے لیکن اس کے پیر پیچھے ہوتے ہیں۔ اگر وہ چاند کی سطح کے متوازی ہے تو ظاہر ہے کہ اپنا رُخ بدل کر اُسے عمودی ہونا پڑے گا تاکہ وہ اپنے پیروں کے بل چاند کی سطح پر کھڑا ہو جائے اور خلاباز دروازہ کھول کر باہر نکل سکیں۔

س: اکثر لوگ نیند میں سوتے وقت باتیں کیوں کرتے ہیں؟
خادم حسین ڈہر، تحصیل ٹھل گڑھی حسن سرکی

ج : اکثر لوگ تو نہیں البتہ بعض لوگ نیند میں بُڑبُڑاتے ہیں، کیوں کہ اُن کا دماغ سوتے میں بھی کام کرتا رہتا ہے اور پوری طرح آرام نہیں کرتا۔ بعض نہایت مصروف لوگ دن بھر جو کچھ کرتے ہیں اور جن تفکرات میں کھوئے رہتے ہیں، وہی خیالات، رات کو

سوتے ہوئے بھی اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتے اور وہ کبھی غصّے میں، کبھی مایوسی میں اور کبھی خوشی میں چیختے اور بڑبڑاتے ہیں۔

س: گلاس کو بغیر ہلے جُلے پانی میں اُلٹا ڈبوئیں اور اچانک چھوڑ دیں تو وہ اُوپر کیوں اُبھرتا ہے۔ اس میں پانی کیوں نہیں بھرتا؟
فرح بانو، کراچی

ج: پانی میں اُچھالنے کی قوّت ہوتی ہے۔ جب آپ بلندی سے پانی میں کُودتے ہیں تو خود بخود اُبھر آتے ہیں۔ جب آپ اُلٹے گلاس کو پانی میں ڈبوتے ہیں تو پہلے سے اُس میں ہوا موجود ہوتی ہے۔ پانی اُسے اُچھال کر اُوپر لاتا ہے اور اس میں موجود ہوا پانی کو اندر داخل نہیں ہونے دیتی بلکہ دھکّا دے کر باہر رکھتی ہے۔

س: آواز کی گونج کس طرح پیدا ہوتی ہے؟
شاہانہ تحسین، کراچی

ج: آواز لہروں کی شکل میں سفر کرتی ہے۔ جب آپ کسی عمارت میں، گنبد میں یا کسی چٹان کے سامنے کھڑے ہو کر زور سے چیختے ہیں تو آواز کی لہریں اُس رکاوٹ سے ٹکرا کر واپس ہوتی ہیں اور آپ تقریباً وہی الفاظ سُنتے ہیں جو آپ نے چیخ کر بولے تھے۔ اسے آواز کی بازگشت یا گونج کہتے ہیں۔

س: جب ہم نہا لیتے ہیں تو اس کے بعد ہمیں نیند کیوں آتی ہے؟
فرحان الرحمٰن خان، کراچی

ج: لوگ تو صبح کو سو کر اُٹھنے کے بعد نہاتے ہیں تاکہ جسم تر و تازہ ہو جائے اور سُستی ختم ہو جائے۔ ضروری نہیں کہ نہانے کے بعد پھر نیند آئے۔ نیند کی کیفیت دور کرنے کے لیے ہی تو نہایا جاتا ہے۔ البتہ نہانے سے جسم کو سکون ملتا ہے، اس لیے اگر اس سکون کی وجہ سے کسی کو نیند آ جائے تو دوسری بات ہے۔

س: اگر ہم کششِ ثقل کے باعث زمین پر رہتے ہیں تو پھر ہوائی جہاز پر اس کشش کا اثر کیوں نہیں ہوتا؟
ندیم محمد خاں دیمی، کراچی

ج: اُڑتے ہوئے ہوائی جہاز پر کششِ ثقل کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ زمین اُسے نیچے گرانے کی کوشش کرتی رہتی ہے لیکن اُس میں لگے ہوئے انجن اُسے اپنی قوّت سے آگے بڑھاتے رہتے ہیں کہ کششِ ثقل مات کھا جاتی ہے اور ہوائی جہاز بدستور

اُڑتا رہتا ہے ۔ اگر خدانخواستہ اس کے انجن کام کرنا بند کر دیں یا کسی اور وجہ سے وہ آگے بڑھنے اور اُڑنے کے قابل نہ رہے تو کششِ ثقل اُس پر حاوی ہو جاتی ہے اور وہ نیچے گر جاتا ہے ۔ اسی کو ہوائی حادثہ کہتے ہیں ۔

س: بجلی کا بلب ٹوٹنے پر آواز کیوں پیدا ہوتی ہے ؟

حسن مہدی خراسانی، کراچی

ج : بجلی کے بلب کے اندر خلا ہوتا ہے یعنی اس میں ہوا موجود نہیں ہوتی ۔ جب وہ گر کر ٹوٹتا ہے تو چاروں طرف کی ہوا زور سے اُس میں داخل ہونے کی کوشش کرتی ہے ۔ اس لیے آواز پیدا ہوتی ہے ۔

س: خلا میں جو راکٹ بھیجے جاتے ہیں اُن کو زمین کی کشش سے نکلنے کے لیے کتنی قوت درکار ہوتی ہے ؟

محمد اکبر سیال، ننکانہ صاحب

ج : ایک راکٹ کو کششِ ثقل پر حاوی ہونے اور زمین کے دائرۂ کشش سے باہر نکل جانے کے لیے کتنی قوت درکار ہو گی، اس بات کا انحصار اُس راکٹ کے بڑے یا چھوٹے بھاری یا ہلکا ہونے پر ہو گا ۔ البتہ حساب کتاب اور تجربے سے یہ پتا چلا ہے کہ ایک راکٹ زمین کی کشش سے اس وقت تک باہر نہیں نکل سکتا جب تک وہ سات میل فی سیکنڈ کی رفتار سے زمین سے روانہ نہ ہو ۔ اس رفتار سے روانہ ہو کر اُس میں اتنا زور پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ زمین پر واپس نہیں گرتا بلکہ اس کی کشش سے نکل کر خلا میں چلا جاتا ہے ۔

س: ٹیلیکس کس طرح کام کرتا ہے ؟

ثاقب ادریس، کراچی

ج : ٹیلیکس دراصل ٹائپ رائٹر جیسی ایک مشین ہوتی ہے جسے ٹیلے پرنٹر کہتے ہیں ۔ وہ تاروں کے ذریعہ سے دوسرے شہروں اور ملکوں کے ساتھ ملا ہوتا ہے جن میں برقی رو جاری رہتی ہے ۔ جب آپ کسی دوسرے شہر کو کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہیں تو اس کے نمبر پر اپنا پیغام ٹائپ کرتے ہیں، جیسے جیسے آپ ٹائپ کرتے جاتے ہیں دوسرے شہر میں آپ کے مطلوبہ دفتر میں لگی ہوئی ایسی ہی مشین خود بخود حرکت میں آجاتی ہے اور وہی پیغام ٹائپ کر دیتی ہے ۔ اس طرح آپ کا پیغام آن کی آن میں دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے، بالکل اُسی طرح جیسے ٹیلے گرام جاتا ہے ۔

خُوباں

صحّت کے لیے ایک منفرد قدرتی ٹانک

بارہ پھلوں اور خشک میوہ جات کا نفیس و لطیف اور خوش ذائقہ سنہرا شربت خوباں جس میں شامل ہاضم، مقوّیِ جسم و جاں اور حیات بخش اجزاء نے اسے ایک منفرد ٹانک بنا دیا ہے۔ خوباں' دواؤں سے بڑھ کر انسانی جسم کی حقیقی اور فطری ضرورتوں پر ہمدرد کے طویل تجربہ کا ماحصل ہے۔

خوباں بچّوں کو چاق چوبند اور بڑوں کو چُست و توانا رکھتا ہے۔
خوباں استعمال کرنے والے بچے تعلیم اور کھیل کود میں بڑے جی جان سے حصّہ لیتے ہیں۔
صحّت مند لوگوں کے لیے خوباں کا استعمال یوں بھی مناسب ہے کہ اس سے جسم و جاں کو توانائی ملتی رہتی ہے اور شب و روز کی ذہنی محنت یا جسمانی مشقت سے کوئی تھکن یا سُستی پیدا نہیں ہوتی۔ لاغر اور بیماری سے اُٹھے ہوئے لوگوں کے لیے خوباں ایک مفید اور مؤثر قدرتی ٹانک ہے۔

کھلاڑیوں کے لیے خوباں ایک ضرورت ہے۔ کھیل شروع کرنے سے پہلے اس کے ۲ دو چمچے پینے سے جسم میں مناسب طاقت و چُستی پیدا ہوتی ہے اور کھیل کے بعد خوباں توانائی بحال کرتا ہے۔

خوباں گھر کے ہر فرد کے لیے ہر موسم میں تن درستی اور توانائی بہم پہنچاتا ہے۔
خوباں کے ۲ دو چمچے غذا کے بعد آپ کی توانائی برقرار رکھتے ہیں۔

خُوباں خوش ذائقہ سُنہرا شربت

ہمدرد — ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں۔

ADARTS K-1/88 R

بزمِ ہمدرد نونہال

مرزا ظفر بیگ

جولائی کی ۲۸ تاریخ ہے۔ جمعرات کا دن ہے۔ ویسے تو جولائی کے مہینے میں کراچی میں کافی بارش ہوتی تھی مگر ۲۸ تاریخ کا موسم صاف تھا۔ پھر ۱۲ بجے دوپہر کو اچانک بادل چھا گئے اور تقریباً پورے ہی شہر میں بارش ہونے لگی جو شام تک جاری رہی اور تھوڑے سے وقفے کے بعد پوری رات ہوئی۔ نونہالوں کی عجیب حالت تھی۔ آج شام چار بجے ان کی عید ملن کی تقریب منعقد ہونے والی تھی اور موسم کے تیور خطرناک نظر آ رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے سوچا کہ اس خراب موسم اور شدید بارش میں جہاں بڑوں کا باہر نکلنا مشکل ہے بھلا نونہال اپنی اس محفل میں کیسے آئیں گے۔ کچھ نے ہمّت کی اور بھیگتے ہوئے کسی نہ کسی طرح تاج محل ہوٹل تک پہنچ ہی گئے۔ یہ دیکھ کر لوگوں کے منھ حیرت سے کُھلے کے کُھلے رہ گئے کہ پونے چار بجے موتی محل آڈی ٹوریم پورا بھر چکا تھا۔ اور گیلری

جناب حکیم محمد سعید اور مہمانِ خصوصی جناب معین الدین صاحب نونہالوں سے باتیں کرتے ہوئے۔

بھی بھر گئی تو بچّوں نے سیڑھیوں پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ بچّوں کا اتنا بڑا جلسہ مشکل ہی سے دیکھنے میں آتا ہے۔ بھئی شاباش ہے نونہالوں کو جنھوں نے اس موسم میں وقت کی پابندی کا رِکارڈ قائم کر دیا تھا۔ ٹھیک چار بجے جناب حکیم محمد سعید ہمیشہ کی طرح مقررہ وقت پر اپنے مخصوص انداز اور مخصوص لباس میں ہال میں داخل ہو گئے تھے۔ بچّوں نے اور بڑوں نے زور دار تالیاں بجا کر اپنے دوست اور ہمدرد کا خیر مقدم کیا۔ حکیم صاحب کھِلے پڑ رہے تھے۔ انھیں اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ نونہالوں نے ان کی دعوت پر کتنی پابندی کے ساتھ اس خراب موسم میں بھی لبیک کہا تھا۔ آج کی محفل تھی بھی تو بڑی زور دار۔ اس میں کچھ نئے آئٹم بھی شامل کیے گئے تھے۔ عجیب و غریب چیزوں سے اسٹیج بھرا ہوا تھا۔

جناب تصویر حسین حمیدی نے مائک سنبھالا اور نونہال قاری مسعود احمد کو تلاوت کرنے کی دعوت دے کر بزمِ ہمدرد نونہال کا آغاز کیا۔ مسعود احمد نے بڑے خوب صورت انداز سے سورۂ رحمٰن کی تلاوت کی۔ اب باری تھی نعتِ رسولِ مقبول کی۔ اسراء سید، شازیہ یوسف، عروج اخلاق، سید کامران رحمانی، عظمیٰ قمر، یاسمین اُمتل اور سیدہ حبیب نے باری

باری سے بارگاہ رسالت مآب میں عقیدت کے پھول پیش کیے۔ جناب حکیم محمد سعید نے اپنے مخصوص انداز میں نونہالوں سے مختصر باتیں کیں۔ حکیم صاحب کا انداز ہی کچھ ایسا ہوتا ہے گویا وہ باتیں کر رہے ہوں۔ حکیم صاحب نے تمام نونہالوں اور اُن کے بڑوں کا شکریہ ادا کیا۔ پھر آپ نے بتایا کہ پچھلے مہینے پاکستان کے نونہالوں کے پُر زور مطالبے پر لاہور میں بزم ہمدرد نونہال منعقد کی گئی تھی۔ آپ نے یہ بھی اعلان کیا کہ جلد ہی پشاور اور اسلام آباد میں بھی بزم شروع کی جائے گی۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے ایثار اور قربانی کے موضوع پر نونہالوں کو بڑے کام کی باتیں بتائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیشہ بڑوں کا حکم ماننا چاہیے۔ اُن کی فرماں برداری کرنی چاہیے۔ جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اشارے پر اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جان قربان کرنے پر خوشی خوشی تیار ہو گئے تھے۔ پھر حکیم صاحب نے حضورؐ کا ایک واقعہ سُنایا۔ حضورؐ مکّے سے مدینے ہجرت کر رہے تھے۔ راستے میں ایک غار میں قیام کیا۔ جب نکل کر وہاں سے جانے لگے تو کسی نے اندھیرے میں آواز دے کر پوچھا، "کون ؟" آپؐ نے فرمایا، "محمدؐ"۔ یعنی آپؐ نے خطرے کی حالت میں بھی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ نے نونہالوں کو تلقین کی کہ ہمیشہ سچ بولیں۔ سچ بولنا جان بچانے سے بھی اہم ہے۔ پھر حکیم صاحب نے نونہالوں سے کہا کہ آج کا سبق ہے "سچ بولنا"۔ آپ وعدہ کریں کہ ہمیشہ سچ بولیں گے۔ ہال کے سب نونہالوں نے حکیم صاحب کے حکم کی تعمیل میں زور دار تالیاں بجائیں۔ اس کے ساتھ ہی قبلہ حکیم صاحب کی تقریر ختم ہو گئی۔

اس بزم ہمدرد نونہال میں کئی خاص مہمان شریک ہوئے تھے۔ ان میں کینیڈا میں مقیم جناب معین الدین صاحب اور ان کی بیگم شامل تھیں۔ آپ دونوں کینیڈا میں بچّوں کو پڑھاتے ہیں۔ ایک مہمان جناب یوسف عابدی صاحب تھے جو لندن سے تشریف لائے تھے۔ روس کے قونصل جنرل اور ان کی صاحب زادی تھیں اور ماہر چشم ڈاکٹر محمد قمر خاں صاحب اور ان کی بیگم بھی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کی بچّی منیبہ بھی تھی جس کی آج بسم اللہ تھی۔ حکیم صاحب نے تمام مہمانوں کی موجودگی میں منیبہ کی بسم اللہ پڑھائی۔

اس کے بعد آغا حمد خاں سیکنڈری اسکول کے نونہال محمد یونس نے قربانی اور ایثار

جناب حکیم محمد سعید ننھی مُنّی منیبہ کو بسم اللہ پڑھا رہے ہیں۔

کے موضوع پر بڑی دھواں دھار تقریر کی۔ لوگوں نے خوب تالیاں بجا کر اس نونہال کو داد دی۔

اب بچّوں کے سب سے پسندیدہ آئیٹم کا نمبر تھا اور وہ تھا میجک شو۔ فضل حسین لودھی

جادوگر فضل حسین لودھی روسی قونصل جنرل سے بورڈ پر کچھ لکھوا رہے ہیں۔

ٹیبلو قربانی کا بکرا

اور اشفاق حسین لودھی نے جادو گری کے ایسے ایسے حیرت انگیز کمالات پیش کیے کہ لوگ دنگ رہ گئے۔ بچّوں اور بڑوں نے اس میجک شو سے بھرپور لطف حاصل کیا۔ یہ میجک شو دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے بارے میں لکھتے میں وہ مزہ نہیں آئے گا جو دیکھنے

آغا خاں پرائمری گرلز اسکول، کھارادر کی بچّیاں قوالی پیش کر رہی ہیں

ٹیبلو ہمدردی اور ٹیبلو شیر اور چوہا کا ایک منظر

نونہال قاری مسعود احمد تلاوت کر رہے ہیں اور اسراء سعید نعتِ رسول پیش کر رہی ہیں

سعیدہ حبیب، شازیہ یوسف اور ایک بچی، نعتِ رسول ؐ پیش کرتے ہوئے

میں آسکتا تھا۔ یہ دونوں باپ بیٹے اپنے شعبدوں سے لوگوں کا دل خوش کرتے ہیں اور پاکستان سے باہر جا کر بھی پاکستان کا نام روشن کرتے ہیں۔

میجک شو کافی دیر جاری رہا۔ اس کے بعد آغاخاں گرلز پرائمری اسکول، کھارادر کی نونہال بچیوں نے ٹیبلو پیش کیے۔ پہلا ٹیبلو تھا قربانی کا بکرا۔ اسے سبین عبدالستار اور نادیہ حسین نے پیش کیا۔ دوسرا ٹیبلو پہاڑ اور گلہری نادیہ حسین اور نور بن چھوٹو نے پیش کیا شبر اور چوہا تیسرا ٹیبلو تھا۔ اسے شاہینہ رحمان اور سبین عبدالستار نے پیش کیا۔ "ہمدردی" روداِبہ حسین اور نورین چھوٹو نے پیش کیا۔

ٹیبلو کے بعد آغاخاں پرائمری گرلز اسکول، کھارادر کی بچیوں فوزیہ اسماعیل، شاہینہ رحمان، سبین عبدالستار، صبا عبدالغفار، عنبر بن مونی، انیلا مونی اور تحسین فاطمہ نے قوالی پیش کی:

ساتھی تیرا یہ آنکھیں دکھانا منھ دکھانے کی صورت نہیں ہے
پڑھنے لکھنے سے یوں جی چُرانا کوئی اچھی تو عادت نہیں ہے
وقت کی قدر جس نے سکھائی یہ تو ہے سب اسی کی بڑائی
بزمِ ہمدرد کی ہے سعادت ہر کسی کی یہ قسمت نہیں ہے

اب باری تھی بقرعید کوئز پروگرام کی۔ بقرعید کے حوالے سے سوالات پوچھے گئے اور صحیح جواب دینے والوں کو وہیں انعام بھی دیے گئے۔ پھر مہمان خصوصی جناب معین الدین

محمد یونس کا جوش و خروش اور نعت گو بچیاں

صاحب نے نونہالوں سے باتیں کیں۔ آپ نے فرمایا کہ جناب حکیم محمد سعید صاحب اور ہمدرد فاؤنڈیشن بچّوں کے لیے جو اچھے کام کر رہا ہے اس کی تقلید سب کو کرنی چاہیے۔ بزم ہمدرد نونہال جیسے عمدہ پروگرام میں نے دنیا میں کہیں نہیں دیکھے

مہمان خصوصی کی تقریر ختم ہوئی۔ بچّوں کی جانی پہچانی شخصیت جناب مسعود احمد برکاتی نے مختصر تقریر کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں آتے ہوئے راستے ہیں میں یہ سوچ رہا تھا کہ آج نونوگوں کا آنا بہت مشکل ہے، کیوں کہ بارش بہت تیز تھی، مگر آپ لوگ یہاں موجود ہیں۔ اس کا مطلب ہے شوق۔ آپ کو شوق تھا۔ شوق محنت کراتا ہے، شوق ہمّت پیدا کرتا ہے۔ آپ نے نونہالوں کو تلقین کی کہ شوق اور لگن کو اپنائیں اور زندگی میں کوئی کمال پیدا کریں۔

برکاتی صاحب کے شکریے کے بعد لکی ڈرا ہوا۔ تقریب میں شریک مہمانوں کو دعوت نامے کے ساتھ ایک کوپن بھی دیا گیا تھا۔ جس کو دروازے پر موجود بکس میں ڈال دینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس کوپن پر نمبر چھپا ہوا تھا۔ بعد میں ان کوپنوں کی قرعہ اندازی ہوئی۔ اور نونہالوں کو انعامات دیے گئے۔ آخر میں حاضرین کی چائے، روح افزا اور کیک سے تواضع کی گئی۔

ہمارے قائداعظم

محمد اقبال، کراچی

پاکستان کے بانی قائداعظم محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم "سندھ مدرسۃ الاسلام" میں حاصل کی۔ اس کے بعد قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپ انگلستان چلے گئے۔ وہاں سے بیرسٹرایٹ لا کی ڈگری حاصل کرکے جب ہندستان واپس آئے تو آپ نے دیکھا کہ ہندستان میں مسلمانوں پر بڑا ظلم ہورہا ہے، اسی لیے وہ اپنے لیے ایک الگ ملک کا مطالبہ کرنے لگے۔ قائداعظم نے مسلمانوں کی حمایت کا فیصلہ کیا اور دن رات پاکستان قائم کرنے کے لیے کام کرنے لگے۔ آپ کی محنت آخرکار رنگ لائی اور آپ کی بے مثال جدوجہد سے پاکستان ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ ہجری مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آگیا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔

قائداعظم بچپن سے بہت محنتی تھے۔ آپ رات کو بھی کام کرتے تھے۔ قائداعظم جن دنوں پاکستان بنانے کے لیے جدوجہد میں مصروف تھے اُن دنوں آپ کی صحت خراب رہنے لگی۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش آپ کے ذاتی ڈاکٹر تھے۔ جب قائداعظم بیمار ہوئے اور بخار اور کھانسی بڑھتی گئی تو ڈاکٹر صاحب کے مشورے پر ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو آپ کوئٹہ تشریف لے گئے۔ اس کے چند دن بعد آپ ایک اور صحت افزا مقام زیارت چلے گئے۔ لیکن آپ کی بیماری کم نہ ہوئی۔ یکم جولائی کو آپ اسٹیٹ بینک اوف پاکستان کا افتتاح کرنے کے لیے کراچی آئے اور اس کے بعد دوبارہ زیارت واپس چلے گئے۔ ۹ اگست ۱۹۴۸ء کو آپ کے پاؤں پر ورم آگیا اور پیشاب کم آنے لگا۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش اور ڈاکٹر ریاض علی شاہ کے مشورے پر ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کو آپ زیارت سے کوئٹہ منتقل ہوگئے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء کو پاکستان کے قیام کی پہلی سال گرہ منائی گئی۔ اس وقت تک بھی کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ قائداعظم کتنے سخت بیمار ہیں۔

اگست کے تیسرے ہفتے میں صحت یابی کے آثار پیدا ہوگئے، لیکن چند دنوں بعد

طبیعت پھر بگڑنے لگی۔ ۵ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ڈاکٹروں کو شک ہوا کہ آپ کو نمونیا ہو گیا ہے لیکن جب ۷ ستمبر کو ٹیسٹ کی رپورٹ آئی تو یہ شبہ غلط ثابت ہو گیا۔ آپ کی طبیعت روز بہ روز خراب ہوتی جا رہی تھی۔ ۷ ستمبر کی رات کو تھوڑا تھوڑا پیشاب آنا شروع ہوا اور آپ کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ حرارت بڑھتی گئی اور سانس لینے میں تکلیف ہونے لگی۔ آپ کو فوری طور پر اوکسی جن دینے کا انتظام کیا گیا۔

۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو آپ کراچی منتقل ہوئے۔ جب آپ کا جہاز سوا چار بجے ماری پور کے ہوائی اڈّے پر اُترا تو سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ آپ کو ایمبولینس میں لٹا کر گورنر ہاؤس لانے کے انتظامات مکمل تھے لیکن راستے میں ایمبولینس خراب ہو گئی۔ دوسری ایمبولینس منگوائی گئی۔ اس وقت تک قائدِاعظم اپنی بہن محترمہ فاطمہ جناح کے گھٹنے پر سر رکھے شدید گرمی میں انتظار کرتے رہے۔ جب ایمبولینس آئی تو اس میں آپ کو گورنر ہاؤس پہنچایا گیا۔ گورنر ہاؤس پہنچ کر آپ کی طبیعت کچھ سنبھلی لیکن رات کے ساڑھے نو بجے غشی طاری ہو گئی۔ نبض بے قاعدہ چلنے لگی اور ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ ڈاکٹر نے انجکشن لگایا اور قائدِاعظم کو تسلی دی لیکن قائدِاعظم نے کہا، "نہیں، میں نہیں بچوں گا۔" یہ آپ کے آخری الفاظ تھے۔ رات دس بجے طبیعت کچھ بہتر ہوئی اور نبض ٹھیک چلنے لگی لیکن دس منٹ بعد طبیعت دوبارہ خراب ہونے لگی اور بے ہوشی طاری ہو گئی اور بے ہوشی کی حالت میں ہی قائدِاعظم گیارہ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہفتے کے روز انتقال فرما گئے۔

جھلکیاں

خصوصی الیکٹرانکس پروجیکٹس
نامور مصنفین کے اہم سائنسی مضامین
عالمی شہرت یافتہ سائنس دان
ڈاکٹر آئی ایچ عثمانی
کا انٹرویو، تین انعام یافتہ پروجیکٹس
مقبولِ عام سلسلہ: ہمارے سورج چاند ستارے
نیز اراکینِ عملی سائنس کلب کی رنگین تصاویر

۱۸واں سالنامہ ستمبر ۸۸ء
ماہنامہ عملی سائنس کراچی

سائز ــــــ ۲۳×۳۶/۸
صفحات ــــــ ۱۲۲
قیمت ــــــ ۲۵ روپے

معلوماتِ عامہ

سلسلہ ۲۶۹

اس بار بھی سوالات کی تعداد دس ہے۔ تصویریں صرف دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی شائع کی جائیں گی۔ نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۲۰۔ستمبر ۱۹۸۸ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے نیچے اپنا نام، پتا اور تصویروں کے پیچھے اپنا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے۔

۱۔ اُن پیغمبر کا نام بتائیے جن کے والد اور دادا بھی پیغمبر تھے اور ان کے بیٹے بھی پیغمبر تھے۔

۲۔ پاکستان کا سب سے چھوٹا دریا کون سا ہے؟
سندھ، جہلم، چناب، راوی یا ستلج۔

۳۔ تاریخ اسلام میں دو سقّے مشہور ہیں۔ نام بتا دیجیے۔

۴۔ اردو شاعری میں کس نظم کو پہلی بڑی قومی نظم تسلیم کیا گیا؟

۵۔ عمر خیّام گیارہویں صدی عیسوی کا مشہور فارسی شاعر تھا۔ بتائیے اس کی شہرت کی دوسری بڑی وجہ کیا تھی؟

۶۔ امریکا کے صدر کینڈی کو ۱۹۶۳ء میں قتل کیا گیا۔ بتائیے یہ قتل کس شہر میں ہوا تھا؟

۷۔ نظامِ شمسی کے اس پہلے سیّارے کا نام بتائیے جو علمِ ریاضی کی مدد سے دریافت ہوا تھا۔

۸۔ بتائیے شہنشاہ بابر کا بیٹا ہمایوں کہاں پیدا ہوا تھا؟

۹۔ باغ و بہار تو میر امّن کی کتاب کا نام ہے۔ بتائیے باغِ اردو کس کی کتاب ہے؟

۱۰۔ بتائیے جزیرہ مڈغاسکر کس سمندر میں واقع ہے؟
بحرہ ہند میں، بحر اوقیانوس میں یا بحر الکاہل میں۔

مِسواک

ہمدرد انٹرنیشنل ٹوتھ پیسٹ

درخت پیلو/مِسواک کی بہ حیثیت محافظِ دنداں سب سے پہلے غیبی دریافت ارضِ قرآن اور مطلعِ اسلام مدینۂ منورہ میں ہوئی اور پھر عہد بہ عہد متعدد تہذیبوں نے اور مختلف ثقافتوں نے مِسواک کی سُنّت اور بے انتہا افادیت سے ہمیشہ فیض پایا ہے۔ آج کہ سائنس انکشافات کی عظمتوں کو پا رہی ہے اور اکتشافات کی رفعتوں کو چھو رہی ہے، عصری سائنس نے مسوڑھوں کی صحت اور دانتوں کی حفاظت کے لیے پیلو/مِسواک کی افادیت کی بہ ہمہ وجوہ تائید کی ہے۔

ہمدرد کو یہ امتیاز حاصل ہوا ہے کہ اس نے بہ ہمہ تحقیقاتِ سائنسی محافظِ دنداں درخت پیلو/مِسواک سے اپنی سائنسی لیبوریٹریوں میں پہلے ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تیار کیا اور پھر اب پیلو فارمولے سے بین الاقوامی ٹوتھ پیسٹ 'مِسواک' پیش کیا اور تمام دنیا کے لیے حفاظتِ دنداں کا سامان کیا۔

مِسواک

ہمدرد انٹرنیشنل ٹوتھ پیسٹ

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

پیلو کے بڑے سائز کے طور پر اب پاکستان میں مِسواک بھی دستیاب ہے۔

آوازِ اخلاق

پاکستان سے محبت کرو - پاکستان کی تعمیر کرو

ADARTS - MHT-1/88

اسفنجوں کی دُنیا

ڈاکٹر منظور احمد

عام لوگ اس بات سے بہت کم واقف ہیں کہ قدرتی ماحول میں ملنے والے اسفنج بھی اصل میں خاص قسم کے حیوانات ہیں۔ لیکن اسفنج کی وہ قسمیں جو صنعتی طور پر گھروں یا اداروں میں استعمال کے لیے تیار کی جاتی ہیں ان میں زندگی کے کسی طرح کے کوئی آثار نہیں ہوتے۔ اصل اسفنج کی ہزاروں قسمیں ہیں جو سمندروں کے نمکین پانی اور جھیلوں کے میٹھے پانیوں میں ملتی ہیں۔ یہ اندرونی بناوٹ میں بہت سادہ بھی ہوتے ہیں اور انتہائی پیچیدہ بھی۔ ان کی اصلیت کے بارے میں معلومات اگرچہ اب بھی بہت کم ہیں، لیکن پچھلی صدی تک اس قدر کم تھیں کہ کچھ لوگ انھیں حیوان سمجھتے تھے اور کچھ نہیں۔ لیکن تحقیق سے پتا چلا کہ اسفنجوں کا جسم مختلف طرح کے خلیوں سے بنا ہوا ہے جو ڈھیلے ڈھالے طریقے سے آپس میں جُڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد یہ تسلیم کیا جانے لگا کہ اسفنجوں میں ساری خاصیتیں سادہ طرز کے حیوانات کی طرح کی ہیں اور اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا کہ اسفنج بھی ایک طرح کا حیوانی گروہ ہے۔

اسفنج کا لفظ یونانی زبان سے نکلا۔ یونانی سے اسے لاطینی اور پھر انگریزی زبان نے اپنایا اور وہیں سے اردو زبان میں رائج ہوا۔ جس گروہ سے اسفنج حیوانات تعلق رکھتے ہیں اُسے انگریزی زبان میں (PORIFERA) اور اردو میں سوراخیے کہا جاتا ہے۔ ان کے جسم کی سطح پر چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے اِرد گرد کے ماحول سے پانی ان کے جسم میں داخل ہوتا ہے اور مختلف قسم کی سادہ یا پیچ دار اور شاخ دار نالیوں میں سے گزرتا ہے اور آخر ایک بڑے سوراخ کے راستے باہر نکل جاتا ہے۔ گویا جو کام بڑے حیوانات میں دورانِ خون کا نظام کرتا ہے وہی کام سوراخیوں یا اسفنجوں میں دورانِ آب کا نظام انجام دیتا ہے۔ اسی گردش کرتے ہوئے پانی کے ذریعے سے

جسم کے اندرونی خلیوں کو خوراک اور آکسیجن پہنچتی ہے اور اسی کے ذریعے سے بیکار مادّے (WASTE PRODUCTS) اسفنجوں کے جسم سے خارج ہوتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ زندہ رہنے، نمو پانے یا نسل بڑھانے کے لیے ہر جان دار خلیے کے لیے خوراک اور آکسیجن کا پہنچنا ضروری ہے اور خوراک کے استعمال اور کارکردگی کے نتیجے میں جو بے کار مادّے خلیوں کے اندر پیدا ہوتے ہیں اُن کا خارج ہونا بھی ضروری ہے۔

سوراخیوں یا اسفنجوں کے جسموں میں اگرچہ ہزاروں خلیے ہوتے ہیں لیکن پھر بھی انھیں کثیر خلوی (METAZOA) حیوانات میں شمار نہیں کیا جاتا، بلکہ ارتقائی لحاظ سے یک خلوی (PROTOZOA) اور کثیر خلوی حیوانات کے درمیانی درجے کا الگ عائلہ (PHYLUM) سمجھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یک خلوی سے تو یہ اس لیے الگ ہیں کہ ان کے جسموں میں بہت سے خلیے ہوتے ہیں، جو سب مل کر ایک حیوان بنتا ہے، لیکن کثیر خلوی حیوانات میں اعضا بھی ہوتے ہیں، عضلات بھی ہوتے ہیں اور عصبی خلیے بھی ہوتے ہیں۔ چاہے ان کی شکل اور صورت بہت ابتدائی درجے کی کیوں نہ ہو۔ لیکن اسفنجوں یا سوراخیوں میں یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔

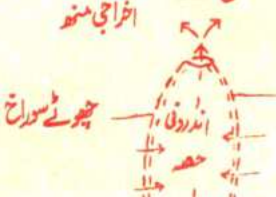

شکل ۱ سادہ اسفنج

اسفنج حیوانات کی جسامت چند ملی میٹر سے لے کر دو میٹر تک ہوتی ہے۔ لیکن ماحول کے لحاظ سے ان کی جسامت بہت کم یا بہت زیادہ بھی ہوتی رہتی ہے۔ ان کی رنگت بعض اوقات بھدّی ہوتی ہے لیکن کچھ قسمیں چمک دار زرد یا گہری سیاہ بھی ہوتی ہیں۔

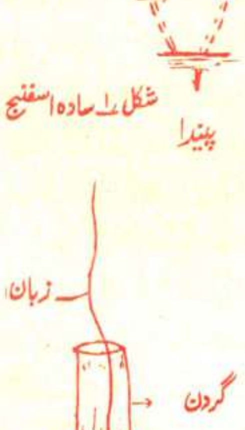

شکل - ۲ بال دار خلیہ

افزائش نسل کے ساتھ اسفنجوں کی ظاہری صورت

بدل جاتی ہے۔ لیکن ان کی بنیادی بناوٹ ایک جیسی رہتی ہے۔ اسفنج کے کسی ٹکڑے کو غور سے دیکھا جائے تو اپنی سادہ ترین شکل میں یہ ایک لمبوترے مٹکے سے ملتا جلتا ہے جس کا پیندا کسی سخت سطح کے ساتھ چپکا ہوا ہوتا ہے اور اس کی مخالف سمت پر ایک بڑا اخراجی منھ ہوتا ہے۔ جسم کی سطح پر واقع سوراخوں سے پانی جسم کے اندر داخل ہوتا ہے اور اخراجی منھ کے راستے باہر نکل جاتا ہے۔ اسفنجوں کے جسم کی دیوار

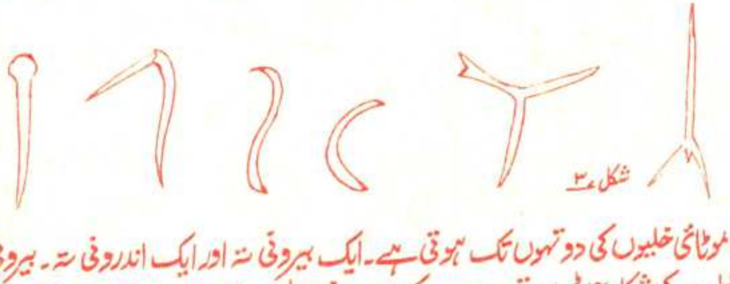

شکل ۔۳

کی موٹائی خلیوں کی دو تہوں تک ہوتی ہے۔ ایک بیرونی تہ اور ایک اندرونی تہ۔ بیرونی تہ پر خلیوں کی شکل چپٹی ہوتی ہے، جب کہ اندرونی سطح پر لمبے بال دار خلیے ہوتے ہیں۔ (شکل ۔۲) ان خلیاتی بالوں کی مسلسل حرکت سے اسفنج کے جسم میں پانی کی رو چلتی رہتی ہے۔

اسفنجوں کے جسموں کی شکل اُن کی دیوار میں موجود مختلف شکل کی کانٹا نما ساختوں سے قائم رہتی ہے، جنھیں سوزنِ اسفنج یا اسپکیول (SPICULE) کہتے ہیں۔ (شکل ۔۳) یہ اسپکیول خلیاتی دیوار کے اندر آپس میں اس طرح جُڑے ہوتے ہیں، جس طرح کسی سیمنٹ کی چھت کے اندر لوہے کے سریے اور ان کے اِرد گرد تمام خلیے لپٹے ہوتے ہیں۔ اگر ان اسپکیول سے خلیوں کو الگ کر کے دیکھا جائے تو بالکل وہی منظر نظر آتا ہے جو آج کل عمارتوں پر پکی (لنٹل) کی چھت ڈالنے والے سیمنٹ کا مسالا ڈالنے سے پہلے تیار کرتے ہیں۔ (شکل ۔۴)۔ یہ اسپکیول یا کانٹا نما ساختیں کیمیائی طور پر کیلشیم کاربونیٹ، سلیکیٹ وغیرہ کی بنی ہوتی ہیں اور سخت ہونے کے باعث اسفنج کی دیواروں کی شکل کو برقرار رکھتی ہیں۔ جو کچھ بھی کیمیائی مادّہ ان میں ہوتا ہے

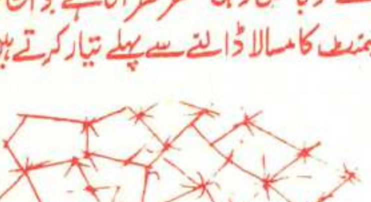

شکل ۔۴ اسپکیول کا ڈھانچا

وہ سب اسفنج کی دیواروں کے خلیے مہیّا کرتے ہیں۔ ایک ہی اسفنج میں بے شمار شکل و صورت اور مختلف کیمیائی ساختوں کے اسپکیول بھی ہوتے ہیں۔

اسفنج زمین کے پانیوں میں کم از کم ۶۰ کروڑ سال سے موجود ہیں اور ماضی میں مختلف صورت میں انسان کے استعمال میں رہے ہیں۔ روس میں دیہاتی نوجوان لڑکیاں اسفنجوں کو ٹالک پاؤڈر کی جگہ استعمال کیا کرتی تھیں اور اسفنج کے پاؤڈر باقاعدہ دوا فروشوں کے پاس بکا کرتے تھے۔ جب لڑکیاں اسفنج پاؤڈر کو چہرے پر ملتی تھیں تو اس میں موجود نہایت باریک، خرد بینی اسپکیول کی رگڑ سے ان کے رخسار سرخ ہو جاتے تھے۔ بعض سخت قسم کے اسفنج بھی چاندی، تانبے کے زیورات اور برتن بنانے والے استعمال کرتے ہیں۔ ان کی رگڑ سے وہ چاندی، تانبے اور دوسری دھاتوں کو پالش کرتے ہیں۔ دریائے ایمیزن کے آس پاس رہنے والے قبائلی سفوف کی شکل میں پسے ہوئے اسفنجوں کو مٹّی میں گوندھ کر برتن بناتے ہیں جس سے ان کے برتنوں میں مضبوطی پیدا ہو جاتی ہے۔

نہانے والے اسفنجوں میں کانٹے دار اسپکیول نہیں ہوتے اور وہ بھی کئی طرح استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ململ سے ۱۵ گنا زیادہ نرم ہوتے ہیں اور اپنے وزن سے ۲۰ سے ۳۵ گنا زیادہ وزن کا پانی اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ پُرانی تاریخ بتاتی ہے کہ انسان اسفنجوں کی اس خوبی سے تقریباً ۲۰۰۰ قبل مسیح میں بھی واقف تھا۔ اسفنج کو نہ صرف نہانے کے دوران جسم صاف کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا بلکہ زخموں سے بہتے ہوئے خون کو بھی یہ روکنے کے کام آتا تھا۔ گرجا گھروں میں پادریوں کے اونچے منبر صرف اسفنج سے صاف کرنے کی رسم تھی۔ کچھ قسموں کے اسفنجوں کو پودوں کے عرق کے ساتھ ملا کر شدید درد کے دوران بے ہوش کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ آج کل تقریباً ۷۰ فی صد اسفنج صنعتوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً کاروں کی صفائی، تقطیر کرنے والی چھوٹی بڑی مشینوں میں، رگڑ کر پالش کرنے میں، شکلوں کی تیاری اور پینٹنگ میں، ان ضرورتوں کی خاطر دنیا میں کروڑوں رُپے کے اسفنجوں کی تجارت ہوتی ہے۔ اسفنجوں کا قدرتی رنگ بھورا یا سیاہ ہوتا ہے۔ سوکھنے کے بعد یا تو دھوپ سے خود بہ خود ان کا رنگ زرد مائل بھورا ہو جاتا ہے یا انھیں کیمیائی مُرکبات کی مدد سے زرد بھورا رنگا جاتا ہے تاکہ وہ بازار میں بِک سکیں۔

علامہ دانش کا اغوا

معراج

ہم اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اپنے گزشتہ سفر کا حال لکھنے میں مصروف تھا۔ علامہ دانش ایک موٹی سی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ مرشد آزونا کو کسی بات پر ڈانٹ ڈپٹ کر رہا تھا کہ اتنے میں دفتر میں تین آدمی داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک کو میں پہچانتا تھا، یہ ترکی کے وزیر انصاف تھے۔ باقی دو غیر ملکی دکھائی دیتے تھے۔

وزیر نے کہا، "معاف کیجیے گا، میں آپ لوگوں کو بے وقت تکلیف دے رہا ہوں لیکن بات ہی کچھ ایسی تھی کہ ....."

وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر چُپ ہو رہا۔ پھر ذرا دیر کے بعد بولا، "پہلے میں ان دو حضرات کا تعارف آپ سے کروادوں۔ یہ صاحب انڈونیشیا کے وزیرِ خارجہ ہیں اور یہ دوسرے صاحب پولیس انسپکٹر ہیں۔"

ہم نے ان حضرات سے ہاتھ ملایا۔ مرشد میرے کان میں آہستہ سے بولا، "اللہ خیر کرے مجھے تو کچھ گڑ بڑ دکھائی دیتی ہے۔"

ترکی کے وزیر نے دھیمی آواز میں کہا، "بات یہ ہے کہ پچھلے چند ماہ سے مشہور شخصیتوں کے قتل اور اغوا کی وارداتوں نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے۔ میں جو خبر آپ کو سُناتا ہوں وہ بے حد افسوس ناک ہے۔ آپ کے دوست ڈاکٹر رشید سر بانتو بہت دنوں سے لا پتا ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ انھیں اغوا کر لیا گیا ہے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ انھیں قتل کر دیا گیا ہو۔"

غم سے علامہ کی حالت غیر ہو گئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ مرشد نے کہا، "علامہ صاحب صبر کیجیے۔"

علامہ بولے، "میں اس لیے روتا ہوں کہ دنیا سے ایک عالم شخص رخصت ہو گیا ہے۔"

میں نے کہا، "ممکن ہے کہ ڈاکٹر سربانتو ابھی زندہ ہوں اور دشمنوں نے انھیں کہیں قید کر رکھا ہو۔"

مرشد نے کہا، "سربانتو کا اغوا کیسے ہوا؟"

وزیر بولا، "ڈاکٹر سربانتو دفتر جانے کے لیے گھر سے نکلے۔ وہ اپنے دفتر نہیں پہنچ سکے۔ انھیں راستے میں ہی اغوا کر لیا گیا۔"

مرشد نے پوچھا، "کیا اغوا کرنے والوں کا کوئی سُراغ ملا؟"

انڈونیشیا کا وزیرِ خارجہ پہلی مرتبہ گفت گو میں شریک ہوا۔ اس نے کہا، "آپ جانتے ہیں کہ انڈونیشیا ہزاروں جزیروں پر پھیلا ہوا ہے۔ ان میں سے بہت سے جزیرے تو اتنے چھوٹے ہیں کہ وہاں لوگ نہیں رہ سکتے۔ ہم نے انھیں تلاش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن ان کا سراغ نہیں مل سکا۔ ہمیں یقین ہے کہ جس خفیہ تنظیم نے یہ کارروائی کی ہے اس کا اڈّا انڈونیشیا کے کسی جزیرے میں ہے۔"

کافی دیر تک خاموشی رہی۔ وزیرِ خارجہ نے پھر کہا، "ہماری خفیہ پولیس نے اطلاع دی ہے کہ ان کا اگلا شکار علاّمہ دانش ہوں گے۔ آپ تینوں کی جان بھی خطرے میں ہے۔"

یہ سُن کر میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میرا خیال ہے کہ کچھ ایسا ہی حال مرشد اور آزونا کا بھی تھا۔ ہم موت سے نہیں گھبراتے لیکن اس طرح بے خبری کی حالت میں مارا جانا ہمیں بالکل پسند نہیں تھا۔

انڈونیشیا کے وزیر نے کہا، "علامہ صاحب! آپ ہماری گزارش پر انڈونیشیا چلے چلیے۔ ڈاکٹر سربانتو کی گم شدگی کے بعد سفید ریت سے یورینیم حاصل کرنے کا کام رُکا ہوا ہے۔"

مرشد بے ساختہ بولا، "واہ صاحب، یہ آپ نے کیا فرمایا؟ آپ خود ہی بتا چکے ہیں کہ خفیہ تنظیم کا اڈّا بھی انڈونیشیا میں ہے۔ اور وہ لوگ اب علامہ دانش کی جان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔"

وزیر بولا، "آپ یقین کیجیے کہ علاّمہ صاحب کی پوری طرح حفاظت کی جائے گی۔"

آزونا نے کہا، "آپ لوگ سربانتو کی حفاظت تو نہ کر سکے۔"

پھر وہ علاّمہ سے مخاطب ہوا، "آقا! آپ میرے ساتھ نائیجیریا چلیے۔ میرے قبیلے کے

ہزاروں جنگ جُو دن رات آپ کی حفاظت کریں گے۔"
علامہ ہنس کر بولے، "ارے بھلے مانس، ہم سائنس دانوں کی قسمت میں چین سکون سے بیٹھنا نہیں لکھا ہے۔ جسے ایک دفعہ تحقیق کا چسکا پڑ جائے وہ چین سے بیٹھ ہی نہیں سکتا۔"
پھر علامہ انڈونیشیا کے وزیر سے بولے، "مجھے آپ کے ساتھ چلنا منظور ہے۔"
وزیر نے ایک خاص کاغذ پر دستخط کر کے کہا، "میں نے یہ خاص اجازت نامہ جاری کر دیا ہے۔ آپ جس وقت بھی چاہیں انڈونیشیا جا سکتے ہیں۔ کل صبح ایک جہاز روانہ ہونے والا ہے۔ آپ پسند فرمائیں تو کل صبح ہی رخصت ہو جائیے۔"
علامہ بولے، "مجھے منظور ہے۔"
ہم نے علامہ کی بہت منت سماجت کی کہ آپ وہاں نہ جائیے لیکن وہ جو فیصلہ کر چکے تھے، اس سے ہٹنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔
اگلے دن صبح سویرے علامہ انڈونیشیا روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت آزونا اُن سے مل کر رو دیا۔ علامہ بولے، "ارے میں تو تمھیں بہت حوصلے والا سمجھتا تھا، اب جلدی سے آنسو پونچھ ڈالو۔"
پھر وہ ہم سے بولے، "تم آزونا کا خیال رکھنا۔"
کچھ دیر بعد ان کا جہاز پرواز کر گیا۔ جب تک جہاز نظر آتا رہا آزونا ہاتھ ہلاتا رہا۔
ہم گھر واپس لوٹے تو ترکی کے وزیر نے کہا، "خرابی کی اصل جڑ ابھی باقی ہے۔ میرا مطلب ہے وہ خفیہ تنظیم جس نے تباہی پھیلا رکھی ہے۔ جب تک اس کا خاتمہ نہیں ہو جاتا، اسلامی دنیا کے مشہور آدمیوں کی جان کو خطرہ رہے گا۔"
اتنے میں آزونا قہوہ لے آیا۔ ہم قہوہ پینے میں مشغول ہو گئے۔
ترکی کے وزیر نے کہا، "انڈونیشیا کی پولیس خفیہ تنظیم کا سراغ لگانے میں ناکام رہی ہے۔ انھوں نے مجبور ہو کر کئی ملکوں سے درخواست کی ہے کہ وہ اس کام میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔"
مرشد نے پوچھا، "کیا حکومت ترکی کو بھی ایسی درخواست موصول ہوئی ہے؟"

وزیر بولا، "آپ نے درست فرمایا۔ ہماری خفیہ پولیس نے ایک منصوبہ بنایا ہے۔"
"وہ کیا؟"
وزیر بولا، "ہم ایک شخص کو علامہ دانش بنا کر پیش کریں گے۔ دشمن تنظیم اسے اغوا کرنے کی کوشش کرے گی۔ خفیہ پولیس کے لوگ نقلی علامہ کے آس پاس ہی رہیں گے۔ اس طرح وہ اغوا کرنے والوں کا پیچھا کرتے کرتے ان کے اڈے تک پہنچ جائیں گے۔"
مرشد نے پوچھا، "وہ شخص جسے آپ علامہ دانش بنا کر پیش کریں گے۔ کون ہوگا؟"
ترکی کا وزیر ہنسا، "وہ شخص علامہ کا خاص دوست ہے اور ان کی نقل اچھی طرح اُتار سکتا ہے۔"
پھر میری طرف اشارہ کر کے کہا، "میرا مطلب ہے کہ آپ۔"
میرے دماغ میں پھلجھڑیاں سی چھوٹنے لگیں۔ یا اللہ یہ میں بیٹھے بٹھائے کس مصیبت میں پھنس گیا؟
مرشد تیز لہجے میں بولا، "آپ جانتے ہیں کہ اس میں کتنا خطرہ ہے؟ نہ جانے دشمن کس وقت وار کر بیٹھے اور ہمارا دوست بے خبری میں مارا جائے۔"
وزیر بولا، "یہی خطرہ مول لیے بغیر دشمن تک پہنچنا ممکن نہیں۔ علامہ صاحب اور دوسرے لوگوں کی جان بچانے کا صرف یہی طریقہ ہے۔"
میں نے کہا، "میں دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"
ایک ماہ تک مجھے تربیت دی گئی۔ آخری وہ گھڑی آ پہنچی جب مجھے انڈونیشیا جانا تھا۔ پہلے میرا میک اپ کیا گیا۔ علامہ کا پُرانا سوٹ، اس کے اُوپر برساتی کوٹ، ہاتھ میں چھڑی اور سَر پر ان کا پُرانا ہیٹ۔ جب میں نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی تو خود بھی حیران رہ گیا۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ علامہ کے حُلیے میں یہ کوئی اور شخص ہے۔
آرزو نا اور مرشد تو مجھے دیکھ کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔
میں نے ڈانٹ کر کہا، "تمھیں ہنسی آتی ہے۔ مجھے اس کوٹ میں سخت گرمی لگ رہی ہے۔ نہ جانے علامہ اسے کیسے پہنتے ہوں گے۔"
جب میں جکارتہ کے ہوائی اڈے پر اُترا تو میرے آنے کی خبر اخباروں میں چھپ

چکی تھی۔ ہر روز علامہ دانش کی مصروفیات کے متعلق دو تین خبریں ضرور چھپ جاتیں۔ میں کسی ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھاتا تو رات کا کھانا کہیں اور اُڑاتا۔ کبھی کسی سائنس کانفرنس کا افتتاح کرتا، کبھی کسی کارخانے کا معائنہ کرتا۔

اخبار کے رپورٹر کی حیثیت سے مرشد اور دو تین سادہ لباس والے پولیس کے آدمی میرے آس پاس ہی رہتے۔

ایک دن دوپہر کے وقت میں ہوٹل میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی اور بہت آہستہ سے کہا، "علامہ دانش۔"

میں نے دروازہ کھولا۔ یہ ایک نوعمر لڑکا تھا۔ اس نے مجھے ایک بند لفافہ دیا۔ میں نے بہت احتیاط سے لفافے کو کھولا۔ اس میں سے ایک پرچہ نکلا۔ اس پر لکھا ہوا تھا، "ٹیلی فون نہ کیجیے۔ آپ کی جان خطرے میں ہے۔ ہوٹل کے باہر گاڑی کھڑی ہے۔ آپ فوراً پولیس کے دفتر پہنچیے۔"

خط پر نہ تو کسی کے دستخط تھے اور نہ کوئی مہر لگی ہوئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ گھڑی آپہنچی جس کا مجھے بہت عرصے سے انتظار تھا۔ میں ہوٹل سے باہر نکلا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ایک سفید رنگ کی کار میرے قریب آکر رُکی۔ ڈرائیور نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر بہت آہستہ سے کہا، "علامہ دانش آپ ہی ہیں؟" میں نے سر ہلا کر ہاں کہی۔ ڈرائیور نے بہت اخلاق سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور کہا، "تشریف رکھیے سرکار۔"

میں موٹر میں سوار ہو گیا۔ جب میں سیٹ پر بیٹھا تو میرے وزن سے فوم کا گدا دب گیا اور ایک سرسراتی ہوئی آواز نکلی جیسے ریل کے انجن سے بھاپ نکلتی ہے۔ میں نے میٹھی میٹھی خوش بُو محسوس کی۔ یہ ایسی گیس کی خوش بُو جو بے ہوش کرنے میں استعمال ہوتی ہے۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں مجھ پر اس کا اثر ہو گیا اور میرا ذہن اندھیرے میں ڈوبتا چلا گیا۔ جب آنکھ کُھلی تو میں نے محسوس کیا کہ میں کسی گاڑی میں لیٹا ہوا ہوں۔ ایک سفید سایہ میرے اوپر جُھکا ہوا تھا۔ جب میں اچھی طرح دیکھنے کے قابل ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک نرس تھی۔ ٹریفک کے شور سے میں نے اندازہ لگایا کہ میں کسی بڑی سڑک سے گزر رہا ہوں۔

نرس نے مجھے آنکھیں کھولتے ہوئے دیکھ کر کہا، "بے بی لیجیے۔"
میں نے کہا، "میں کہاں ہوں؟ کیا راستے میں کوئی ایکسی ڈنٹ ہو گیا تھا؟"
نرس بولی، "جی ہاں، ایکسی ڈنٹ ہی ہوا تھا۔ آپ کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟ آپ صدمے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے۔"
میں نے کہا، "کیا میں ایمبولینس میں ہوں؟"
نرس بولی، "جی ہاں۔"
میں نے پھر پوچھا، "اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"
نرس نے کہا، "ہسپتال، بس اب زیادہ باتیں مت کیجیے۔ آپ کے انجکشن کا وقت ہو چلا ہے۔"
یہ کہہ کر نرس نے ایک سرنج میں دوا بھری اور بہت بے دردی سے میرے بازو میں گھونپ دی۔
شاید یہ اس انجکشن کا اثر تھا کہ مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ جیسے میرے اوپر کئی من کا وزن رکھا ہوا ہو۔ میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ میرا ذہن بھی کام کر رہا تھا، لیکن میرا جسم حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ پھر میں نے اسی حالت میں محسوس کیا کہ ایمبولینس ایک جگہ ٹھہر گئی ہے۔ کسی نے ایمبولینس کا دروازہ کھولا۔ میں جس اسٹریچر پر لیٹا ہوا تھا اسے باہر نکالا گیا۔
یہ کوئی غیر آباد اور سنسان سا علاقہ تھا۔ اس میں ایک جہاز کھڑا ہوا تھا جس پر ریڈ کراس کا نشان بنا ہوا تھا۔ اس کے پائلٹ نے چمڑے کی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔
نرس آہستگی سے بولی، "یہ ڈاکٹر داؤد ہیں۔ یہ اس جہاز کے پائلٹ ہیں۔ یہ آپ کو ایک قریبی ہسپتال تک لے جائیں گے۔"
ڈاکٹر نے میری نبض دیکھی۔ اس کی آنکھوں میں سفاکی جھلک رہی تھی۔ وہ بولا، "آپ کی صحت بہت عمدہ ہے۔ امید ہے کہ آپ بہت جلدی بھلے چنگے ہو جائیں گے۔"
اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ کاک پٹ میں بیٹھ گیا۔ نرس میری دیکھ بھال کے لیے میرے پاس ہی رہی۔ کچھ دیر کے بعد جہاز اُڑنے لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ دوا کا

اثر ختم ہو رہا ہے اور میری قوت بحال ہو رہی ہے۔ شاید یہ تم دار ہوا کا اثر تھا۔ جب جہاز زمین پر اُترا تو میں پوری طرح ٹھیک ہو چکا تھا۔

نرس نے سہارا دے کر مجھے اُترنے میں مدد دی۔ مجھے لہروں کا شور سُنائی دیا، اور نمکین ہوا کے جھونکے محسوس ہونے لگے۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا۔ ہم سے تھوڑی دُور سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اس جزیرے پر درخت وغیرہ نہیں تھے۔ ایک طرف اونٹ کے کوہان جیسی شکل کی پہاڑی اُبھری ہوئی تھی۔ نرس مجھے کھینچتی ہوئی ایک پتھر کی بنی ہوئی عمارت میں لے گئی۔ یہ کوئی بہت پُرانا قلعہ تھا۔ اس کے چاروں طرف اونچی اونچی خار دار تاروں کی باڑھ لگی ہوئی تھی۔

راستے میں میں نے ایک بہت کم زور، بیمار بوڑھے شخص کو دیکھا۔ اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور کپڑے پھٹ کر تار تار ہو رہے تھے۔ وہ ڈاکٹر رشید سربانتو تھے۔ انھیں زندہ سلامت دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔

میں نے ان کے قریب سے گزرتے ہوئے انھیں سلام کیا اور ان کا حال پوچھا۔ ڈاکٹر سربانتو مجھے خالی خالی نظروں سے دیکھتے رہے۔

میں نے پھر کہا، "سربانتو، یہ میں ہوں تمھارا دوست۔ علامہ دانش۔"

ڈاکٹر سربانتو نے آہستہ سے کہا، "جناب! معاف فرمائیے گا، میں آپ کو نہیں جانتا۔"

ڈاکٹر سربانتو کے عجیب رویّے سے مجھے بہت حیرت ہوئی۔

ڈاکٹر داؤد اور نرس مجھے ایک کمرے میں لے گئے۔ اس میں دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک کرسی ایسی تھی جیسی دندان سازوں کے ہاں ہوتی ہے۔ ڈاکٹر داؤد نے مجھے کرسی پر بٹھا دیا۔ پھر اس نے اپنی جیکٹ اُتار کر کھونٹی پر لٹکائی اور مجھ سے مخاطب ہوا، "دیکھیے مسٹر، آپ جب تک کوئی گڑ بڑ نہ کریں گے، آپ کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

پھر اس نے اشارے سے نرس کو واپس جانے کا حکم دیا۔

ڈاکٹر داؤد بولا، "مسٹر دانش، میرا خیال ہے کہ آپ کی طبیعت اب بہتر ہے۔"

میں نے جھوٹ موٹ کہا، "میں بے حد کم زوری محسوس کر رہا ہوں۔ لگتا ہے جیسے میرے ہاتھ پاؤں بے جان ہو گئے ہوں۔"

ڈاکٹر مسکرانے لگا۔ میں نے پھر کہا، "آپ کون ہیں اور مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟"

ڈاکٹر داؤد بولا، "میں یہودی تنظیم سے تعلق رکھتا ہوں۔ ہم دنیا پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ہماری قوّت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔"

میں نے کہا، "میں زندگی بھر آپ کی تنظیم کا وفادار رہوں گا۔ آپ جو چاہیں گے، میں وہ کام کروں گا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے جان سے نہ ماریئے۔"

ڈاکٹر بولا، "آپ کے زندہ رہنے یا نہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم کسی بھی انسان کے ذہن سے یاد داشت حاصل کر کے دوسرے شخص کے ذہن میں منتقل کر سکتے ہیں۔"

یہ کہہ کر ڈاکٹر ذرا دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ وہ پھر بولا، "انسانی ذہن میں باریک لکیروں کا جال سا بچھا ہوتا ہے جس میں یاد داشت محفوظ رہتی ہے۔ ہم ان لکیروں کو ذہن سے نکال لیتے ہیں اور اس کا ذہن بالکل کورا ہو جاتا ہے۔ پھر ہم یہ لکیریں کسی دوسرے شخص کے ذہن میں منتقل کر دیتے ہیں۔"

میرا سَر چکرانے لگا۔ میں نے کہا، "تم میرے ساتھ اس کمرے میں اکیلے ہو۔ تمھیں ڈر تو نہیں لگ رہا ہے؟"

ڈاکٹر قہقہہ مار کر ہنسا، "ڈر؟ بھلا میں تم سے کیوں ڈرنے لگا؟"

یہ کہہ کر ڈاکٹر داؤد نے دراز کھول کر ایک قلم نکالا اور بولا، "میرے دوست، اس کا ایک نقطہ بھی تمھارے جسم پر لگ گیا تو کافی عرصے کے لیے تمھاری یاد داشت جاتی رہے گی۔ تم نے راستے میں ڈاکٹر سربانتو کو دیکھا ہے۔ ہم اس کا ذہن منتقل کرنا چاہتے تھے مگر اچانک اس نے حملہ کر دیا۔ مجبور ہو کر ہم نے یہ سوئی اس کے چُبھو دی۔ اس کی یاد داشت اب بالکل ختم ہو چکی ہے۔ اب وہ نہ زندوں میں ہے نہ مُردوں میں۔"

اب مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر سربانتو کا رویّہ بدلا بدلا سا کیوں تھا۔ اللہ کی پناہ۔ میرا واسطہ ایک پاگل اور جنونی سے تھا۔

ڈاکٹر داؤد بولا، "کیا تم تیار ہو؟"

میں نے کہا، "میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔ مجھے ایک گلاس پانی پلوا دیجیے۔"

ڈاکٹر نے ٹیلے فون پر کسی انجان زبان میں کسی سے کچھ کہا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بندر جیسی

شکل والا شخص پانی کا گلاس لے کر آیا۔ جب وہ جا چکا تو میں نے پانی کا ایک گھونٹ پیا اور ایک زور دار چیخ ماری۔ میں نے کہا، "بدبخت، تم نے مجھے زہر دے دیا ہے۔" یہ کہتے ہی میرا سر ڈھلک گیا اور میں لڑھک کر کرسی سے نیچے گرنے لگا۔

ڈاکٹر گھبرا کر بولا، "بے وقوف لوگو، تم نے یہ کیا کر دیا ہے؟"

وہ جلدی سے آگے بڑھا تا کہ میرے گرتے ہوئے جسم کو سہارا دے سکے۔ جوں ہی وہ میرے قریب آیا میں اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے پوری قوت سے ایک گھونسا اس کی کنپٹی پر رسید کیا۔ وہ اس اچانک حملے کی تاب نہ لا سکا اور لڑکھڑا کر گرا۔ یہ اس کی بد قسمتی تھی کہ اس قاتل قلم کی نِب اس کے ہاتھ میں چُبھ گئی۔

میں نے کھینچ کھانچ کر ڈاکٹر داؤد کو اس کرسی پر بٹھایا جہاں کچھ دیر پہلے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ پاؤں چمڑے کی پٹّیوں سے باندھ دیے، منھ پر رومال باندھ دیا۔ پھر اس کے اوپر ایک سفید چادر ڈال دی۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں نے ڈاکٹر کا سیاہ چشمہ پہنا، کپڑوں کی الماری سے اس کے کپڑے نکال کر پہنے، منھ پر ڈاکٹروں والا سفید کپڑا باندھا۔ علامہ دانش کا سوٹ اور برساتی ایک چادر میں لپیٹ کر بغل میں دبائی اور بڑی شان سے چلتا ہوا سامنے کے دروازے سے باہر نکلا۔

ابھی تک جہاز باہر میدان میں کھڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر سربانتو اس کی صفائی میں مصروف تھے۔

میں نے کہا، "سربانتو، آپ جہاز کے اندر بیٹھیے۔"

ڈاکٹر نے چُپ چاپ میرے حکم کی تعمیل کی اور جہاز میں سوار ہو گیا۔ میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور تھوڑی دیر بعد جہاز فضا میں پرواز کر رہا تھا۔ میں نے جکارتہ کے ہوائی اڈّے سے رابطہ قائم کیا۔ میں نے انھیں پوری صورتِ حال سے آگاہ کیا اور کہا، "میرے ساتھ ڈاکٹر سربانتو بھی ہیں۔ خفیہ تنظیم کا اڈّا جکارتہ کے شمال میں ایک جزیرے میں واقع ہے۔ اس جزیرے میں ایک پُرانا قلعہ ہے۔ وہاں اونٹ کے کوہان جیسا ٹیلہ اُبھرا ہوا ہے۔"

جب میں جکارتہ کے ہوائی اڈّے پر اُترا تو میرے استقبال کے لیے بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے علامہ نے مجھے گلے لگا کر مبارک باد دی۔ پھر مرشد نے پھولوں کا ہار پہنایا۔ میں نے کہا، "مرشد، دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد میں بے حد تھکن اور کم زوری محسوس کر رہا ہوں۔"

مرشد بولا، "اب تم جا کر آرام کرو۔ باقی کام یہ لوگ خود کر لیں گے۔"

جب آزونا مجھ سے گلے مل رہا تھا تو میں صرف اتنا کہہ سکا، "آزونا، میری طبیعت بہت خراب ہے۔"

اس کے بعد میں بے ہوش ہو گیا۔ مجھے چوبیس گھنٹوں کے بعد ہوش آیا۔ میرے دوستوں نے میری بڑی تیمار داری کی۔

مرشد نے بتایا، "تمھارے آنے کے تھوڑی دیر بعد انڈونیشیا کی ملٹری نے جزیرے پر دھاوا بول دیا۔ یہودی تنظیم کے بہت ایجنٹ پکڑے گئے۔ ان میں وہ نرس بھی شامل تھی ڈاکٹر داؤد کا حافظہ واقعی جاتا رہا تھا۔"

بعد میں انڈونیشیا کی فضائیہ نے بمباری کر کے پرانے قلعے کو تباہ کر دیا۔ یہ بات بہت بعد میں معلوم ہوئی کہ اس وقت قلعے میں ایک ہزار سے زیادہ یہودی ایجنٹ چھپے ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب قلعے کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔ وہ خفیہ اڈّا ان کی قبر بن گیا۔

اسی شام کا ذکر ہے کہ مرشد میری تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔ میں کچھ شرمندہ سا ہو کر بولا، "آج تک تم نے بھی تو بے شمار کارنامے سر انجام دیے ہیں۔"

وہ ہنس کر بولا، "میاں! تمھارا ایک کارنامہ ان سب پر بھاری ہے۔"

علامہ دانش ابھی تک انڈونیشیا میں ہیں، وہ ڈاکٹر سربانتو کے علاج اور سفید ریت پر تحقیق کرنے میں مصروف ہیں۔

پاکستان کا پہلا ایٹمی بجلی گھر بھی کراچی ہی میں قائم ہُوا۔

ورلڈ کپ ۱۹۸۷ء میں کراچی کا نیشنل اسٹیڈیم وہ واحد اسٹیڈیم تھا جس میں کُل تین میچ کھیلے گئے۔

اخبار نونہال

کنگرو

جب کیپٹن کُک پہلی بار اوسٹریلیا کی زمین پر اُترا تو اس نے وہاں ایک عجیب و غریب جانور دیکھا۔ اُس نے مقامی آدمی سے اِس کا نام پوچھا تو اس نے کہا، "کنگرو"۔ وہاں کی مقامی زبان میں کنگرو کا مطلب تھا، "میں نہیں جانتا"۔ کیپٹن کُک سمجھا کہ اس کا نام کنگرو ہی ہے۔ چناں چہ جب سے اس کا نام کنگرو پڑ گیا۔

مرسلہ: قرۃ العین طاہر، راول پنڈی

اکہتر پھول

کوریا میں دریائے کیوم پر ایک "ناکوا ہم" نامی چٹان ہے۔ اس پر ہر سال بہار کے موسم میں صرف ۷۱ پھول کھلتے ہیں اور بہار کا موسم ختم ہونے سے ایک روز پہلے وہ ۷۱ پھول مُرجھا کر نیچے دریائے کیوم میں گر جاتے ہیں۔ ایسا کئی برسوں سے ہو رہا ہے۔

مرسلہ: حسن مہدی خراسانی، کراچی

سانپ کا جگنو کی طرح چمکنا

کیلے فورنیا (امریکا) میں ایک ایسا سانپ پایا جاتا ہے جس کی دُم رات کو جگنو کی طرح چمکتی ہے، مگر وہ زہریلا نہیں ہوتا۔ لوگ اسے پکڑ کر گھروں میں رکھتے ہیں اور پھر اس کی روشنی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

مرسلہ: ذکیہ سلطانہ مغل، جیکب آباد

Adarts-NGW-4/R

مُسکراتے رہو

● "آج میں نے ایک فقیر کی جان بچائی !"

"کس طرح ؟"

"میں نے اس سے پوچھا کہ اگر تم کو دس رُپے دے دوں تو کیا ہو گا ؟ اس نے جواب دیا کہ میں خوشی سے مَر جاؤں گا۔"

"پھر تم نے کیا کیا ؟"

"میں نے اسے دس رُپے کا نوٹ دکھا کر جیب میں رکھ لیا !"

مرسلہ: سید عمران سعید، راول پنڈی

● ڈاکٹر (مریض سے) دوا سے کچھ فرق ہوا ؟

مریض: جی بس پہلی مرتبہ میں یہاں پیدل ہی آیا تھا۔ دوا کھانے کے بعد آج میں گدھا گاڑی میں بیٹھ کر آیا ہوں۔

ڈاکٹر: ایسا کرو یہ گولیاں وغیرہ لے لو اور اب اگلی مرتبہ مجھے گھر بُلا لینا۔

● مریض (ڈاکٹر سے مخاطب) میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو مار ڈالوں !"

ڈاکٹر: نہیں نہیں، ایسا مت کرنا۔ آخر میرا تجربہ کس کام آئے گا ؟"

مرسلہ: بشارت الٰہی جوکھیہ، جنگ شاہی

● ملاح: جناب، پانی خطرے کے نشان سے اوپر ہو چکا ہے۔

کپتان: خطرے کے نشان کو اور اُوپر بنا دو۔

مرسلہ: مبشر علی زیدی، کراچی

● استاد: سال میں کتنے موسم ہوتے ہیں ؟

شاگرد: چار

استاد: شاباش، کون کون سے ؟

شاگرد: الیکشن، ہڑتال، میچ اور امتحانات۔

● پہلا دوست: کیا تم نے اس شخص کے بارے میں پڑھا ہے جس نے دیوار کے آر پار دیکھنے والی چیز ایجاد کی تھی ؟

دوسرا دوست: نہیں، لیکن وہ کون سی چیز ہے، جس سے دیوار کے آر پار دیکھا جا سکتا ہے ؟

پہلا دوست: کھڑکی۔

مرسلہ: مبشر علی زیدی، کراچی

● ایک شخص کھانا کھانے ایک ہوٹل گیا۔

اس ہوٹل کا کھانا اسے پسند نہیں آیا تو اس نے ویٹر کو بُلایا اور کہا کہ اپنے مینیجر کو بھیجو۔ میں یہ کھانا نہیں کھا سکتا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

ویٹر نے جواب دیا، "مینیجر صاحب کو بُلانا فضول ہے۔ وہ بھی یہ کھانا نہیں کھائیں گے۔"

مرسلہ: عشرت بشیر، کراچی

● شوہر: آج ہم کھانا ہوٹل میں کھائیں گے۔
بیوی: کیا تم سمجھتے ہو کہ مجھے کھانا پکانا نہیں آتا۔
شوہر: ایسی تو کوئی بات نہیں۔ دراصل میں برتن دھو دھو کر تھک گیا ہوں۔

● (ایک شخص دوسرے سے) "اگر میں دیکھوں کہ ایک آدمی اپنے گدھے کو بے دردی سے مار رہا ہے اور اگر میں اسے روکوں تو اس جذبے کو کیا کہیں گے؟"

دوسرا شخص: "برادرانہ محبت۔"

مرسلہ: ثنا رضا رضوی، کراچی

● آدمی (دودھ والے سے) بھائی آج کل دودھ کھٹا سا آرہا ہے۔ کیا بات ہے؟
دودھ والا: بھائی اس لیے کہ کل میری گائے نے دو کھٹے لیموں کھا لیے تھے۔

مرسلہ: خرم رفیق، شاہ فیصل کالونی

● بادشاہ: (مسخرے سے) اچھا ہوا تم آگئے۔ اس وقت میرا دل کسی مسخرے سے گفتگو کرنے کو چاہ رہا تھا۔
مسخرہ: میں بھی یہی سوچ کر آپ کے پاس آیا تھا۔

مرسلہ: محمد فدیم بیگ مغل، ٹنڈو جام

● ایک خاتون اپنی پڑوسی خاتون سے سُنی ہوئی باتیں کسی کو سُنا رہی تھیں۔ مخاطب خاتون نے باتوں کے ختم ہوتے پر سوال کیا:
"پھر کیا ہوا؟"
خاتون نے ناگواری سے جواب دیا، "بہن! میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتی۔ میں نے اپنی پڑوسی خاتون سے جتنا سُنا تھا پہلے ہی اس سے زیادہ آپ کو سُنا چکی ہوں!"

مرسلہ: ریحان قریشی، کراچی

● ایک آدمی ایک دُکان پر لسی پینے گیا۔ لسی پی کر اسے غصہ آگیا۔ اس نے کہا، "باسی اور کڑوی لسی پلا کر لوگوں کو لوٹتے ہو۔ لاؤ میرے پیسے واپس کرو۔"

آدمی بولا، "حضور! میرا کام لینا ہے، دینا نہیں۔"

آدمی بولا، "کیوں؟"
"اس لیے کہ میں نوکر ہوں۔"
"تو پھر مالک کہاں ہے؟"
"وہ ساتھ والی دُکان پر لسی پینے گئے ہوئے ہیں۔"

مرسلہ: ثناء اللہ برلاس، ڈیرہ اسماعیل خاں

● ایک پاگل دیوار سے کان لگائے کھڑا تھا۔ ایک صاحب اُدھر سے گزرے تو انھوں نے اس سے پوچھا، "کیا سُن رہے ہو میاں؟"

پاگل نے کہا، "آپ خود سُن لیجیے۔"

ان صاحب نے دیوار سے کان لگا دیے۔ اور جب کچھ سُنائی نہ دیا تو کہنے لگے، "مجھے تو کچھ سُنائی نہیں دیتا۔"

"پاگل بولا، "اتنی دیر میں آپ کیا سُن لیتے میں صبح سے کان لگائے کھڑا ہوں اور ابھی تک کچھ بھی نہیں سُن سکا۔"

● جمیل: رات میں نے بڑا بھیانک خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ مجھے کسی نے پستول کا نشانہ بنا دیا ہے۔ میں سوتے سوتے چیخ اُٹھا اور چیخنے لگا۔ آئینے میں دیکھا تو میرے چہرے پر ایک بڑا سا سوراخ تھا۔

جاوید: پھر کیا ہوا؟

جمیل: میں نے منھ بند کر لیا اور سوراخ غائب ہو گیا۔

مرسلہ: عنبرین صلاح الدین، جگنا تھ

● ایک فقیر نے دروازے پر آواز لگائی، "اللہ کے نام پر۔"

گھر سے آواز آئی، "بیگم صاحبہ گھر پر نہیں ہیں۔"

فقیر بولا، "میں نے روٹی مانگی ہے۔ بیگم نہیں مانگی۔"

مرسلہ: اجمل سلطانہ

● ایک صاحب رسالے کے پیچھے کے ٹائٹل پر شائع شدہ اشتہار کو پڑھ کر بے تحاشا ہنس رہے تھے۔ دوسرے صاحب نے ان سے پوچھا، "ارے صاحب! کیوں ہنس رہے ہیں؟"

انھوں نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے جواب دیا، "یہ دیکھیں کیا لکھا ہے۔ حسین اور پُرکشش بنیے۔ کبھی بنیے بھی حسین اور پُرکشش ہوتے ہیں۔"

مرسلہ: سلیم احمد خاں، کراچی

● ایک مسافر شہر میں نیا نیا آیا۔ اپنی تنہائی سے گھبرا کر ایک ہوٹل میں جا بیٹھا۔ بیرے نے آکر پوچھا کہ آپ کو کیا چاہیے؟

"ایک پلیٹ تلی ہوئی مچھلی اور ہمدردی کے دو بول بس۔" مسافر نے جواب دیا۔

بیرا خاموشی سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد بیرے نے پلیٹ لا کر میز پر رکھی اور مسافر کے کان میں کہنے لگا، "مچھلی نہ کھانا باسی ہے۔"

مرسلہ: پرنس محمد اکرم سیال، وکیل والا

● شوہر: مُنّے کی ماں، آج میں نے خواب میں سو سو رُپے کے اتنے نوٹ دیکھے کہ گنتے گنتے آنکھ کھُل گئی۔

بیوی: گننے کی کیا ضرورت تھی، فوراً بینک میں جمع کرا دیتے۔

مرسلہ: مرزا عمران بیگ، کراچی

نونہال مصوّر

محمد عثمان، فیصل آباد

ثوبیہ الطاف،
راول پنڈی

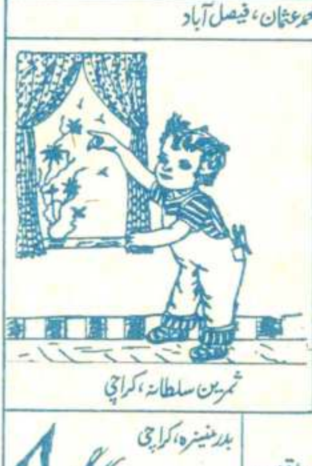

ثمرین سلطانہ، کراچی

جعفر عظیم، کراچی

اسرار الحق خانزادہ،
ٹنڈو جام

بدر منیرہ، کراچی

مرینہ مقصود،
کراچی

ماریہ مقصود، کراچی

شگفتہ پروین، کراچی

صوفیہ صابر،
لاہور

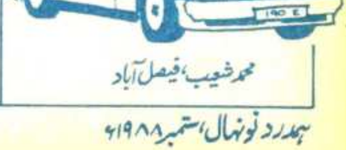

محمد شعیب، فیصل آباد

نونہال ادیب

حمد

پسند: محمد رؤف، گوجرانوالہ

اُسی کا یہ جلوہ ہے چاروں طرف
ہزاروں نشاں ہیں ہزاروں طرف
وہ اوّل کہ جس کی نہیں حد کہیں
وہ آخر کہیں جس کا آخر نہیں
زمانے میں سب کچھ ہے اِلّا شریک
وہی ہے فقط وحدہٗ لا شریک
اُسی ایک نے سب کو پیدا کیا
یہ سب کارخانہ ہویدا کیا
مہ و مہر سے آسماں تابناک
گُلوں سے لبالب گریبانِ خاک
یہ نیرنگیاں لا اُبالی نہیں
کوئی پردہ نغمے سے خالی نہیں
زہے صنعت خالق روز و شب
جدھر دیکھیے ہے تماشا عجب
کسی سر پہ تاجِ شہی دھر دیا
کسی سنگ کو آئینہ کر دیا
شجر ایک گل ہائے تر نو بنو
نہال ایک اُس کے ثمر نو بنو

نعت

پسند: ریاض الدین نوری، کراچی

سرکارؐ کے جلووں کی ضیا دیکھ رہا ہوں
قدموں پہ محمدؐ کے جہاں دیکھ رہا ہوں
دربارِ محمدؐ پکاریں ہیں تو سب ہی
پُر درد میں اپنی ہی صدا دیکھ رہا ہوں
اب اپنی تو بخشش کا نہیں خوف ہی مجھ کو
سرکارؐ کی نعتوں میں رضا دیکھ رہا ہوں
سوتے میں بنا اسم محمدؐ کا جو طغرہ
انداز اس عاشق کے جُدا دیکھ رہا ہوں
دامن تو مرا اپنے گناہوں سے بھرا ہے
اس پر بھی کرم اور عطا دیکھ رہا ہوں
اِک جذب کا عالم ہوا طاری تو میں سمجھا
اب اپنی دعاؤں کا صلہ دیکھ رہا ہوں

دُعا

پسند: نعیم اقبال صدیقی، اسلام آباد

شکر ہے سو بار تیرا اے خدا
رات گزری اور سویرا ہو گیا
رات گزری جس طرح آرام میں
دن بھی گزرے یا الٰہی کام میں
جوڑتا ہوں ہاتھ میرے اے خُدا
کل سے بہتر دن بھی گزرے آج کا
مہربانی سے مجھے ایسا بنا
میں کہا مانوں سدا ماں باپ کا
حکم پہ چلتا رہوں اُن کے سدا
اُن کے کہنے سے نہ منہ موڑوں ذرا
خوش رہیں مجھ سے سدا ماں باپ بھی
خوش رہیں مجھ سے سدا اُستاد بھی

دریائے سندھ

پسند: فرزانہ احمد، نواب شاہ

دریائے سندھ ہمارا
روزی کا ہے سہارا
نکلا ہمالیہ سے
پہلو بچا بچا کے
ٹکرایا گھاٹیوں میں
لہرایا وادیوں میں
صحرا میں بہ کے آیا
آبِ حیات لایا
کیا ہے تری روانی
امرت ہے تیرا پانی
کیا رات ہے سہانی
اور صاف تیرا پانی
اِک چاند آسماں پر
اِک چاند تیرے اندر
کیا خوش نُما ہے منظر
کیا دلرُبا ہے منظر
واللہ کیا سماں ہے
شرمندہ آسماں ہے
دریائے سندھ ہمارا
روزی کا ہے سہارا

تتلی

پسند: نور محمد، کراچی

اُڑتی اُڑتی آئی تتلی
آ کر پھول پہ چھائی تتلی
باغوں کی شہزادی ہے یہ
پھر بھی سیدھی سادی ہے یہ

باغ میں آکر ناچ دکھائے
پھولوں پر بیٹھے اُڑ جائے
رنگ ہے اس کا ایسا پیارا
اُڑتا ہوا ایک پھول ہے گویا
پر ہیں اس کے رنگ رنگیلے
لال، گلابی، نیلے، پیلے
بچّو اس کو تم نہ ستاؤ
دُور سے دیکھو پاس نہ جاؤ

لاڈلا شانی

پسند: شانی، لاہور

اِک دن شانی روتے آئے
آنسو سے منہ دھوتے آئے
امّی جان نے پوچھا آکر
آئے مار کہاں سے کھا کر
دادی گرتی پڑتی آئیں
لٹھیا کھٹ کھٹ کرتی آئیں
شانی کو جو روتے دیکھا
پوچھا بیٹا کس نے مارا
آجا میری گود میں آجا
میرا شانی میرا راجا
ماسی آئیں خالہ آئیں
بسکٹ اور مٹھائی لائیں
پھر نانی نے ان کو منایا
پیار کیا سینے سے لگایا
شانی ہے ہم سب کا پیارا
ہم سب کی آنکھوں کا تارا

ہمارا پاکستان

پسند: جمیل الدین انجم انصاری، کراچی

پاکستان ہمارا ہے
ہم کو جان سے پیارا ہے
قائداعظم اس کے بانی
اور اقبال ہیں اس کے ثانی
سرسیّد ہیں رہبر اس کے
ہیں یہ تینوں پاکستانی
سب کی آنکھ کا تارا ہے
پاکستان ہمارا ہے
پاکستان ہے اپنا بچّو
یہ اقبال کا سپنا بچّو
یہ پیغام پہنچاؤ سب کو
اس کی شان بڑھاؤ بچّو
اس سے مان ہمارا ہے
پاکستان ہمارا ہے
پاکستان کا پیارا پرچم
لہراتا رہے ہر سُو ہردم
ہم سب ہیں اس ملک کے خادم
اس کی خدمت کریں گے ہردم
روشن چاند ستارا ہے
پاکستان ہمارا ہے

اللہ کی حکمت

عزیز احمد راجپوت، حیدر آباد

ایک مرتبہ ایک امیر سوداگر اپنا سامان شہر میں فروخت کرنے کے بعد واپس آ رہا تھا۔ اسے کافی راستہ طے کرنا تھا۔ موسم ابر آلود تھا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور بھگانا شروع کر دیا۔ ابھی اس نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ ہوا کے جھکڑ چلنے لگے اور بہت تیز بارش ہو گئی۔ سوداگر اپنے آپ کو بارش سے بچانے کے لیے درخت کے نیچے کھڑا ہو گیا اور بارش کو بددعا دینی شروع کر دی کہ جس کی وجہ سے اسے اس ٹھنڈی شام میں یہ تکلیف اُٹھانی پڑی۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد بارش رُکی تو سوداگر نے پھر اپنا سفر شروع کر دیا۔ ابھی اس نے تھوڑا ہی سفر طے کیا تھا کہ اچانک ایک درخت کے پیچھے سے ایک اُچکا نکلا اور سوداگر سے کہنے لگا، "مجھے اپنا بٹوا دے دو، میں تمھارا بٹوا اور گھوڑا دونوں لینا چاہتا ہوں۔"

سوداگر ایک بہادر آدمی تھا۔ اس نے نیچے چھلانگ لگائی اور اس سے پہلے کہ اُچکا سنبھلتا اس کے منھ پر زوردار مُکا مارا جس سے وہ اُچکا نیچے گر گیا لیکن اگلے ہی لمحے وہ پھر کھڑا ہو گیا اور سوداگر پر فائر کیا۔ لیکن بارش کی وجہ سے بارود گیلا ہو چکا تھا، اس لیے پستول نہ چلا اور اُچکا بارش کو بددعا دینے لگا اور وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے جانے کے بعد سوداگر جان بچ جانے پر اللہ کا شکر ادا کرنے لگا۔ وہ یہ سوچ کر شرمندہ ہو رہا تھا کہ اس نے بارش کو بددعا دی۔ حال آنکہ ہر کام اللہ کی حکمت اور مصلحت سے ہوتا ہے۔

جھنگ

رفعت رشید روحی، جھنگ صدر

شہر جھنگ آج سے تقریباً پانچ سو سال پہلے سیال قبیلے کے ایک سردار مَل خاں نے آباد کیا۔ جھنگ کے معنی ہیں، "درختوں کا جُھنڈ"۔ جہاں اس وقت جھنگ شہر آباد ہے وہاں کبھی درختوں کا جُھنڈ ہوتا تھا، اس لیے شہر کا نام بھی جھنگ مشہور ہوا۔

اس ضلع میں سب سے پہلے جو مسلمان بادشاہ آیا اس کا نام سلطان محمود غزنوی تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے یہاں کے ہندو راجاؤں کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس کے بعد کئی اور مسلمان بادشاہوں نے یہاں حکومت قائم کی۔ ان میں مغل خاندان کے بادشاہ بھی تھے، جنھوں نے قریباً تین سو سال حکومت کی۔

مغلوں کے زمانے میں بھی جھنگ نے بہت ترقی کی اور یہاں کے لوگ خوش حال ہو گئے۔ مغلوں کے زمانے میں چنیوٹ شہر میں ایک خوب صورت مسجد بنوائی گئی جو آج بھی موجود ہے اور بڑی اچھی حالت میں ہے۔

جب مغلوں کی حکومت کم زور ہوئی تو سیال

قبیلے کے سردار ولی داد خاں نے یہاں اپنی حکومت قائم کرلی۔ اس کے زمانے میں زراعت کو کافی ترقی ہوئی۔

سردار ولی خاں کے بھتیجے عنایت اللہ خاں کی وفات کے بعد سیالوں کی طاقت کم زور پڑنے لگی۔ اُدھر پنجاب میں سکھوں کا زور بڑھنے لگا۔ آخر سکھوں کے راجا رنجیت سنگھ نے عنایت اللہ خاں کے بیٹے احمد خاں سیال کو قید کرلیا اور جھنگ کو اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔

سکھوں کی حکومت زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد انگریزوں نے سکھوں کو شکست دے کر پنجاب پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح ضلع جھنگ بھی انگریزوں کے ماتحت آگیا۔ اس ضلع کے بہادر لوگوں نے انگریزوں کی حکومت کو دل سے قبول نہ کیا۔ چناں چہ جب انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی شروع ہوئی تو یہاں کے مختلف قبیلوں نے بھی اس میں بڑے زور شور سے حصّہ لیا۔

انگریزوں نے اس موقع پر ملتان سے نئی فوج منگوائی اور بڑی مشکل سے جھنگ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ جب آزادی کے لیے دوبارہ کوشش شروع ہوئی تو جھنگ کے مسلمانوں نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح قائدِ اعظم کا ساتھ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کو یہ علاقہ چھوڑ کر جانا پڑا اور اس طرح پاکستان بنا۔ یہاں اسلامی حکومت قائم ہے اور سب لوگ ہنسی خوشی زندگی گزار رہے ہیں۔

فوجی تربیت کی ضرورت

وقار احمد تربیلوی، تربیلہ ٹاؤن شپ

ہم اپنے گھروں اور اپنے بچّوں کی حفاظت اسی وقت کرسکتے ہیں جب ہم خود صحت مند اور طاقت وَر ہوں گے۔ ہم کو وطنِ عزیز کے دفاع کے لیے بھی ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ اس دَور میں ہر طرف اسلحے کی دوڑ لگی ہوئی ہے اور کسی بھی ملک یا قوم کی سلامتی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کا فوجی دفاع مضبوط نہ ہو اور اس کی فوج اعلا فنّی تربیت اور جدید اسلحے سے لیس نہ ہو۔

ہم اپنی اندرونی بدنظمی اور بیرونی خطرات پیشِ نظر رکھ کر وطنِ عزیز کی فلاح و بہبود کے لیے فوجی تربیت کی اہمیت کو سمجھیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے آپ کو فوجی لحاظ سے اس قدر مضبوط بنائیں کہ دشمن کا منھ توڑ جواب دے سکیں۔ آغازِ اسلام میں ہر مسلمان، سپاہی کا کردار ادا کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا تھا، اس لیے ہر میدان میں کام یابی اور کامرانی اور فتح و نصرت ان کے قدم چومتی۔ دنیا میں ان ہی قوموں کو زندہ رہنے کا حق ہے جن میں جذبۂ خود اعتمادی موجود ہو اور وہ ہر خطرے کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لیے مستعد ہوں، اور جن کے دلوں میں اپنی قوم کا وقار بلند کرنے کا خیال ہر وقت موجزن ہو۔

سراپا رحمت

رابعہ، کراچی

مکّہ کی ایک گلی میں ایک نحیف و نزار بُڑھیا ٹھوکر کھاکر گر پڑی۔ یہ بڑھیا لکڑیوں کا ایک گٹھا سر پر اٹھائے ہوئے تھی۔ بُڑھیا کے گرتے ہی لکڑیوں کا گٹھا ایک طرف جا گرا اور بُڑھیا ایک طرف۔

دفعتہً ایک شخص آگے بڑھا۔ بُڑھیا کو سہارا دیا اور پھر لکڑیوں کا بنڈل اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا۔ اس شخص نے بڑھیا کو لکڑیوں سمیت گھر تک پہنچا دیا۔ اور بڑھیا سے نہایت نرم لہجے میں کہا، "آیندہ جب کبھی بھی تمھیں اس قسم کا کوئی کام ہو تو میں اس کے لیے حاضر ہوں۔ بڑھیا مشکور نگاہوں سے اس کے چہرے کو تک رہی تھی جو اس کے لیے فرشتۂ رحمت تھا۔ مگر یہ شخص کون تھا۔ یہ سراپا رحمت و شفقت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے سائے تلے آرام فرما رہے تھے۔ آپؐ سو رہے تھے۔ آپؐ کی تلوار درخت سے لٹکی ہوئی تھی۔ یکایک ایک شخص آ نکلتا ہے۔ اس نے نہایت اطمینان سے درخت سے لٹکی ہوئی تلوار اُتار لی اور نبی کریمؐ کو تلوار کی نوک سے بیدار کرتے ہوئے کہا، "بتا! اب تجھے میرے ہاتھوں سے کون بچا سکتا ہے؟" یہ شخص ایک کافر تھا جو آپؐ کے خون کا پیاسا تھا۔ آپؐ آہستہ سے اُٹھے اور نرمی سے جواب دیا، "میرا اللہ۔" آپؐ کے چہرۂ مبارک پر اس قسم کے انتہائی نازک وقت میں بھی خوف و ہراس کے کوئی آثار پیدا نہ ہوئے۔ اس شخص نے آں حضرتؐ کی پُرخطر حالت میں سکونِ قلب کی جب یہ کیفیت دیکھی اور آپؐ کا یہ پُرتحمّل جواب سُنا تو تلوار آپؐ کے قدموں میں ڈال دی۔ یہی تلوار آپؐ نے اُٹھالی اور پوچھا:

"تو بتا! اب تجھے میرے ہاتھوں سے کون بچائے گا؟"

یہ شخص مارے خوف کے لرز گیا۔ اس نے بدحواسی سے جواب دیا، "اب آپؐ ہی میرے حال پر رحم کر سکتے ہیں۔"

چوں کہ یہ شخص اللہ پر ایمان نہ رکھتا تھا، اس لیے اس سے کسی اور جواب کی توقع نہ تھی۔ اس پر آں حضرتؐ نے فرمایا، "میں نہیں بلکہ وہی اللہ جس نے مجھے تیرے ہاتھ سے بچایا۔"

اور اس کے بعد آپؐ نے تلوار میان میں ڈال دی۔

یہ سرورِ کائناتؐ کی مجسم اخلاقی زندگی کے دو واقعات ہیں۔ آپؐ کی تمام زندگی اسی قسم کے واقعات سے بھرپور ہے۔

فراستِ نبیؐ

لُبنیٰ جبیں، کراچی

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معرکۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک جگہ دو آدمی دکھائی دیے۔ ان میں سے ایک قریشی تھا اور ایک عقبہ بن ابی معیط کا غلام۔ قریشی تو ہاتھ نہ لگا لیکن غلام کو پکڑنے میں مسلمان کام یاب ہو گئے۔ اس غلام سے صحابہ نے دریافت کیا، "کتنے مشرکین جنگ میں آئے ہوئے ہیں؟" اس نے جواب دیا، "اجی! مت پوچھیے وہ تو بہت ہیں۔ بہت سخت حملہ کریں گے۔"

صحابہ نے کئی بار یہ سوال کیا لیکن ہر بار وہ ٹال جاتا۔ آخر عاجز آ کر مسلمانوں نے اسے خدمتِ نبویؐ میں پیش کیا اور شکایت کی کہ یہ مشرکوں کی تعداد نہیں بتا رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، "چھوڑو! ہمیں ان کی تعداد سے کیا لینا؟" پھر غلام کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا، "اچھا میاں! یہ تو بتاؤ ہر روز کتنے اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں؟"

اس نے بغیر کسی تامل کے جواب دیا،

"دس۔"

آپ نے فرمایا، "ایک اونٹ تقریباً سو آدمیوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اس لیے ہمارے دشمنوں کی تعداد ایک ہزار ہے۔"

مداری کا تماشا

تابندہ وقار، کراچی

مجھے مداری کا تماشا ہمیشہ سے بہت پسند ہے۔ جب مداری ایک نوٹ کے دو نوٹ اور دو نوٹ کے چار نوٹ بناتا ہے تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ وہ اتنا غریب کیوں ہے۔ خود اپنے لیے کچھ کیوں نہیں بناتا۔ امی کہتی ہیں کہ یہ ہاتھ کی صفائی ہے اور دادی اماں کہتی ہیں کہ مداری نظر بند کر دیتا ہے۔

اس کے علاوہ جب مداری کا بندر ٹائی اور ہیٹ لگا کر بندریا سے ناراض ہوتا ہے تو میرا ہنستے ہنستے بُرا حال ہو جاتا ہے۔ جب مجھے مداری کی ڈگڈگی اور بانسری کی آوازیں آتی ہیں تو میں سب کچھ چھوڑ کر نیچے بھاگتی ہوں۔ میں بھیا کو ساتھ ضرور لے لیتی ہوں کیوں کہ جب مداری اپنے جمورے پر چادر ڈال کر اس کی گردن مروڑتا ہے تو مجھے بہت ڈر لگتا ہے اور میں آنکھیں بند کر لیتی ہوں۔

ایک بار بہت مزہ آیا۔ میں اور بھیا تماشا دیکھ رہے تھے۔ سب لوگ ایک دائرے میں کھڑے تھے۔ مداری نے بچوں سے کہا:

"آگے کا بچہ لوگ بیٹھ جاؤ اور ہاتھ چھوڑ دو۔ جو بچہ نہیں بیٹھے گا اس کا پیشاب بند ہو جائے گا۔"

زمین بہت گندی تھی، اس لیے میں اور بھیّا کھڑے رہے۔ جب تماشا ختم ہوا اور ہم گھر واپس آرہے تھے تو میں نے بھیّا سے کہا:

"بھیّا! ہم لوگوں نے مداری کا کہنا نہیں مانا۔ اب کیا ہوگا؟"

بھیّا کو بھی پیشاب بند ہوجانے والی بات یاد آگئی۔ وہ پریشان ہوگئے۔ بھیّا نے اپنا شبہ دُور کرنے کے لیے زینے پر چڑھتے ہوئے کہا، "اب کیا ہوگا؟" لیکن تھوڑی دیر بعد بھیّا تیزی سے باتھ روم کی طرف بھاگے۔ واپس آئے تو خوش تھے۔ مداری نے جھوٹ بولا تھا۔

لمحۂ فکر

اے۔ ایم صدیقی، کراچی

ہم انسانوں کا بھی کیا حال ہے۔ سوچتے ہیں کہ فلاں چیز ملے تو اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں گے، جان سے عزیز رکھیں گے، صاف سُتھرا رکھنے کی، ٹوٹنے سے بچانے کی اور اُسے محفوظ جگہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی سلامتی اور بقا کے لیے کیا کچھ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ جب وہ چیز میسر آجاتی ہے تو اس کی اہمیت آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ وہ شے اب ایک کونے میں پڑی رہتی ہے اور اس کی جگہ نئی خواہشات جنم لے لیتی ہیں۔

لیکن یہ ملک ان چیزوں کی طرح نہیں کہ ایک بار خواہش کی اور حاصل ہوجانے پر اس کی اہمیت کھودی۔ یہ ملک ہماری دوسری خواہشات کی طرح بار بار حاصل ہونے کی چیز نہیں۔

برسوں میں کہیں جاکر قائدِ اعظم جیسی شخصیت پیدا ہوتی ہے جو اس قوم کو لے کر چلتی ہے اور اُسے غلامی کی زنجیروں سے آزاد کراتی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم ایک دفعہ پھر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ جائیں اور ہمارے ملک پر کوئی آنچ آئے ہمیں چاہیے کہ ہم اسے ٹوٹنے سے بچائیں۔ اس کی دیکھ بھال کریں اور اسے صاف سُتھرا رکھیں اور ضرورت پڑنے پر اپنے خون کا آخری قطرہ بھی اس پر قربان کرنے کو تیار رہیں۔ اس زمین کا حق ادا کریں تاکہ ہماری آئندہ نسلیں ہمیں غدار نہ کہیں اور بے حِس نہ کہہ سکیں۔

چیونٹی اور جھینگر

ثمینہ مقبول، کراچی

ایک بے وقوف ننھا جھینگر گرمیوں اور بہار کے گرم، صاف اور پُر بہار مہینوں میں گانے کا عادی تھا۔ جب اُس نے گھر میں اپنی اناج والی الماری کو خالی پایا اور یہ محسوس کیا کہ سردیوں کا موسم آگیا ہے تو اُسے بڑی تشویش ہوئی۔

بھوک اور قحط نے اسے جرأت دلائی۔ وہ بارش میں بھیگتا ہوا اور سردی سے کانپتا ہوا ایک

کنجوس چیونٹی کے پاس گیا۔
اس نے چیونٹی سے صرف ایک لقمہ بھر دانوں کی خواہش کی اور وعدہ کیا کہ کل تک واپس کر دے گا۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو وہ غم اور بھوک سے مر جائے گا۔
چیونٹی نے جھینگر سے کہا، "میں آپ کی نوکر اور دوست ہوں، لیکن میں آپ کو صاف بتا دیتی ہوں کہ ہم چیونٹیاں نہ اُدھار لیتی ہیں اور نہ اُدھار دیتی ہیں۔ مجھے صرف یہ بتائیے کہ آپ نے گرمی کے موسم میں کچھ جمع نہیں کیا تھا؟ مناسب حالات میں بُرے وقت کے لیے کچھ بچا کر نہیں رکھا تھا؟" جھینگر نے جواب دیا، "نہیں۔ میں اس قدر خوش تھا کہ دن رات گیت گاتا رہا۔"
یہ سُن کر چیونٹی نے کہا، "جناب آپ گاتا گاتے جائیے اور سردی کا موسم بھی ناچ کر گزار دیجیے۔" یہ الفاظ کہتے ہوئے اس نے جلدی سے ایک چھڑی لی اور غریب جھینگر کو دروازے سے باہر نکال دیا۔
اگرچہ یہ ایک فرضی داستان ہے لیکن اس کا نتیجہ اچھا ہے۔ اگر آپ کام کیے بغیر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو آپ کو کھانے کے بغیر بھی زندہ رہنا ہوگا۔

چینی حکایات

نبیلہ علی محمد، جھڈو

چُو کے بادشاہ ہوان نے اپنے وزیروں سے کہا، "میں نے سُنا ہے کہ شمال میں آباد باشندے چاؤ ہسی سو سے بہت خوف زدہ رہتے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟" وزیر خاموش رہے، لیکن ایک وزیر چیانگ ژی نے جواب میں کہا، "ایک شیر بہت بھوکا تھا۔ اس نے ایک لومڑی کو پکڑ لیا۔ لومڑی نے شیر سے کہا کہ آپ مجھے کھانے کی جرأت کیسے کر سکتے ہیں۔ مجھے اللہ نے جانوروں کی دنیا کی ملکہ بنایا ہے۔ اگر مجھے کھائیں گے تو اللہ کے نزدیک گناہ گار ہوں گے۔ اگر میری بات پر یقین نہیں تو میرے ساتھ آئیے۔ میں آگے آگے چلتی ہوں، آپ میرے پیچھے پیچھے آئیں۔
شیر نے لومڑی کو چھوڑ دیا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ جہاں بھی جاتے جانور ان کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ شیر کو یہ خیال تک نہ تھا کہ جانور لومڑی کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اس کی دہشت سے بھاگ رہے ہیں۔
بادشاہ سلامت کا اتنا وسیع ملک ہے اور دس لاکھ افراد کی فوج ہے۔ لیکن آپ نے تمام اختیارات گورنر چاؤ ہسی سو کو دے رکھے ہیں۔
چناں چہ شمال کے لوگ، جو اس کی طاقت سے

خوف زدہ رہتے ہیں دراصل وہ آپ ہی کی طاقت اور دبدبے سے مرعوب ہیں۔ جیسے جانور، شیر سے مرعوب تھے۔"

کوّا اور عقاب

شبانہ معین، نئی کراچی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک درویش کسی جنگل سے گزر رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک عقاب ایک درخت کے اوپر منڈلا رہا ہے۔ اس نے پنجوں میں گوشت کا ٹکڑا پکڑ رکھا ہے۔ درویش یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ یہ عقاب گوشت لے کر اسے کھانے کے بجائے درخت کے اوپر کس لیے منڈلا رہا ہے۔ وہ ایک طرف چھپ کر کھڑا ہو گیا اور دیکھا کہ درخت میں ایک گھونسلا تھا۔ اس گھونسلے میں ایک معذور کوّا پڑا تھا۔ عقاب گھونسلے میں آکر بیٹھ گیا اور کوّے کے منھ میں گوشت ڈالنے لگا۔ یہ دیکھ کر درویش کی زبان سے بے اختیار نکل گیا،

"واہ! کیا شان ہے میرے رب کی کہ ایک کوّے کو بھی رزق پہنچا رہا ہے جو ہل جُل نہیں سکتا۔ ایک میں ہوں کہ رزق کے لیے مارا مارا پھرتا ہوں۔ اب بہتر یہ ہے کہ اللہ پر بھروسا کر کے کسی گوشے میں بیٹھ جاؤں اللہ خود رزق دے گا۔"

یہ کہہ کر وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور اللہ کی امداد کا انتظار کرنے لگا۔ تین دن گزر گئے۔ کچھ کھانے کو نہ آیا۔ بھوک سے کم زوری بڑھ گئی۔

تب اللہ نے ایک فرشتہ اس درویش کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھجوایا کہ اے میرے بندے! اس میں کوئی شک نہیں کہ میری قدرت سبب کی پابند نہیں ہے، لیکن میری قدرت کا تقاضا یہی ہے کہ بنی نوعِ انسان خود اپنے کام انجام دے تاکہ ایک دوسرے کو فائدہ پہنچتا رہے۔ اگر تجھ سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا رہے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تُو دوسروں سے فائدہ اُٹھائے۔ وہ عقاب بن جو جنگلی کوّے کو کھانا کھلاتا ہے، کوّا نہ بن جو دوسروں کا محتاج ہے۔

حضرت امیر خُسرو

ندیم احمد عانزادہ، سکرنڈ

حضرت امیر خسرو صوبہ یوپی (بھارت) کے ضلع ایبٹہ میں گاؤں موضع پٹیالی میں ۱۲۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام ابوالحسن تھا۔ آپ کے والد کا نام امیر سیف الدین محمود تھا۔ نسل کے اعتبار سے آپ کا تعلق ترک خاندان سے تھا۔ آپ کے والد سلطان شمس الدین التمش کے مصاحبِ خاص میں سے تھے۔

شاعری اور موسیقی کا شوق شروع ہی سے

تھا۔ تصوف میں حضرت نظام الدین اولیا کے مرید خاص تھے۔ سلطان جلال الدین خلجی نے آپ کو امارت کا عہدہ اور مخصوص لباس عطا کیا جس کی وجہ سے آپ امیر کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ نے اپنی پہلی مثنوی "قرآن السعدین" آخری غلام سلطان کیقباد کی فرمائش پر لکھی۔ آپ نے بے شمار کتابیں لکھیں۔ آپ نے اپنی زندگی کو شاعری کے لیے وقف کر دیا تھا۔

آپ نے تقریباً پانچ لاکھ اشعار کہے۔ آپ کو اردو شاعری کا بابا آدم کہا جاتا ہے۔ آپ کے دوہے، کہہ مکرنیاں، پہیلیاں، گیت اور بہت سے راگ راگنیاں بہت مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ دو مشہور ساز ستار اور طبلہ بھی آپ ہی نے ایجاد کیے تھے۔ آپ امیر خسرو کے علاوہ سلطانی تخلص بھی کیا کرتے تھے۔ آپ کے صاحب زادے ملک غیاث الدین احمد بھی بہ حیثیت شاعر سلطان فیروز شاہ کے دربار سے وابستہ رہے۔ اردو کے عظیم شاعر میر تقی میر نے بھی امیر خسرو کا تذکرہ اپنی کتاب "نکات الشعرا" میں کیا ہے۔ آپ کا انتقال ۷۲۵ھ میں دہلی میں ہوا اور وہیں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

انعام

محمد عرفان میمن، سکھر

امجد کے سہ ماہی امتحان تھے۔ زیادہ محنت نہ کرنے کی بنا پر اس کے پیپر حسبِ توقع صحیح نہ ہو سکے۔ اگلے ماہ امتحان کا رزلٹ نکلا تو وہ فیل تھا۔ اُسے فیل ہونے کا بے حد رنج تھا۔ پشیمان ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اگر اس کے ابّو نے رزلٹ کے بارے میں پوچھ لیا تو وہ کیا جواب دے گا؟ لیکن اب پچھتاوے کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔

حالانکہ سہ ماہی امتحان کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں ہوتی، لیکن نہ جانے کیوں وہ اپنے فیل ہونے پر نادم تھا۔ ایک ہفتہ تو آرام سے گزر گیا۔ اس کے ابّو نے کچھ نہ پوچھا۔ امجد خوش تھا کہ جان بچی سو لاکھوں پائے۔ لیکن یہ اس کی خوش فہمی تھی۔

ایک شام کھانے کے دوران امجد کے ابّو پوچھ ہی بیٹھے، "امجد بیٹے! سہ ماہی امتحان کا کیا رزلٹ نکلا؟" امجد دھک سے رہ گیا۔ اس کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا کہ اب شامت آئی۔ فوراً اس کے دل میں آئی کہ کیوں نہ جھوٹ بول دے کہ وہ پاس ہو گیا ہے۔ ابّو کون سا اسکول جا کر تصدیق کریں گے۔ یہ سوچ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس کا ضمیر چیخ اُٹھا: "نہیں امجد! ایسا مت کرنا۔ جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس طرح تم اپنے ابّو کی نظروں سے بھی گر سکتے ہو۔" امجد ضمیر کی چیخ سُن کر کانپ اُٹھا۔ آخر اُس نے سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا۔ "ابو جان! زیادہ محنت نہ کرنے کی وجہ سے میں اس بار

بُری طرح فیل ہوا ہوں۔" یہ کہتے وقت وہ خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا۔

یہ سُنتے ہی اس کے ابّو کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمکنے لگا۔ وہ خوش ہوتے ہوئے بولے، "شاباش بیٹا! مجھے یقین تھا کہ تم جھوٹ نہیں بولو گے۔ میں تمھارے رزلٹ سے پہلے ہی آگاہ تھا لیکن یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اسکول کے امتحان میں فیل ہونے والا میرا بیٹا آج سچ اور جھوٹ کے امتحان میں پاس ہوتا ہے یا فیل۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرا بیٹا اس امتحان میں پورے نمبر لے کر پاس ہو گیا ہے۔"

اور امجد کی آنکھوں میں آنسو اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچنے لگی۔

شفوان کا پیغام

انیسہ داؤد جگوت، کراچی

کسی زمانے کی بات ہے کہ ایک گاؤں میں ایک لڑکا رہتا تھا۔ نام اس کا شفوان تھا۔ وہ بڑا نیک، ذہین، ایمان دار، غم خوار اور رحم دل لڑکا تھا۔ ہر ایک کی مدد کرنے والا تھا۔ پورا گاؤں اس سے خوش تھا۔ اور سب اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ اسے اپنے ماں باپ، بہن بھائی اور تمام لوگوں سے بہت پیار تھا۔ خصوصاً اسے اپنے ملک سے تو بے حد محبت تھی۔ اس وقت اس کا ملک بہت سی بیرونی سازشوں کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ ہر وقت یہ سوچتا رہتا تھا کہ یارب مجھے کوئی ایسی راہ بتا، کوئی ایسا رستہ دکھا کہ میں اس پر چل کر اپنے ملک کی خدمت کر سکوں۔ اس کی بقا کے لیے اپنی جان دے سکوں۔ وہ ہر ایک سے ملتا اور اس سے پوچھتا مگر افسوس کہ کوئی اس کے سوالوں کے جواب نہ دے سکتا۔ وہ بہت پریشان تھا، کیوں کہ وہ کوئی بہت بڑا کام کرنا چاہتا تھا۔ اگرچہ وہ چھوٹے بڑے بہت سے ملک کے کام کرتا تھا مگر اسے ان کاموں سے تسلّی نہ ہوتی۔

ایک دفعہ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹنے کو جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ چند نقاب پوش لوگ ایک شخص کو بہت مار رہے ہیں۔ وہ اس طرف بڑھا کہ اسے بچا سکے مگر افسوس کہ وہ اس وقت تک اپنا دم توڑ چکا تھا۔ کچھ دنوں بعد اسے معلوم ہوا کہ وہ شخص ایک نیک انسان تھا۔ اپنے ملک کو بیرونی شر پسندوں سے بچانا چاہتا تھا اور تمام شر پسندوں کو ختم کرنے کے لیے جہاد کر رہا تھا۔ اس کے اس جرم پر اسے قتل کر دیا گیا۔ اس شخص کی موت نے شفوان کے دل میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اسے جینے کا ایک نیا انداز بتا دیا پھر اس نے اسی دن سے یہ عہد کیا کہ وہ اپنے ملک کو ان شر پسندوں سے

ضرور بچائے گا جو ملک میں افراتفری پھیلا رہے ہیں۔ شروع میں تو صرف کچھ لوگوں نے ہی شفوان کا ساتھ دیا مگر، کیوں کہ سچائی خود ایک جیت ہے۔ آہستہ آہستہ کر کے کچھ عرصے میں ملک کی اکثریت اس کی حامی ہو گئی اور اس نے جو بڑا کام کرنے کا ایک خواب دیکھا تھا وہ شرمندۂ تعبیر ہو گیا۔ اس نے ملک سے بیرونی شر پسندوں کا خاتمہ کیا۔ ملک کو پاکیزہ بنا دیا اور اس طرح تمام باشندے امن و سکون سے رہنے لگے۔ اس نے مرتے وقت اپنے ملک کے نوجوانوں کو صرف ایک پیغام دیا:

"اے میری قوم کے بہادر نوجوانو! اپنے دلوں کو جہاد کے عظیم جذبے سے سرشار کردو۔ اپنے دل میں اپنے وطن کی محبت کو عروج پر پہنچا دو۔ تمام بری صحبتوں سے منھ موڑ لو۔ غرور اور تکبر سے دُور رہو۔ تعلیم کا حصول اپنا مقصد بنا لو۔ لوگوں کے تحفظ کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہ کرو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے اندر اتحاد کو مضبوط کرلو تاکہ کوئی تمھارے اتحاد کو پارہ پارہ نہ کر سکے۔ اور تم ماضی کے بہادر نوجوانوں کی طرح اپنا نام تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھوا سکو اور ایک بار پھر پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو۔"

کون چُھپا

واصف حسین، کراچی

لو لو گرگٹ سورج مُکھی کے پودے پر بیٹھا تھا۔ اپنا رنگ بدلنے کی مشق کی غرض سے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جاتا تھا۔ تو ئیگا زرّافہ کا بہت ہی اکھڑ بھتیجا کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا کہ کبھی اس کا رنگ بھورا ہو جاتا تھا کبھی سبز اور کبھی زرد۔

گرگٹ چھاتی تان کر چُوں چُوں کر کے کہنے لگا، "ننھے زرّافے! ذرا سر موڑ کر سو تک گنو اور پھر دیکھو کہ میں تمھاری تیز آنکھوں سے بھی چُھپ سکتا ہوں۔"

گرگٹ ایسی جگہ جا پہنچا جہاں سبز پتّے اور زرد پھول تھے۔ وہ بھورا سبز اور زرد ہو گیا۔ زرّافے نے گنتی گنی، "ستانوے ..... اٹھانوے ..... ننانوے ..... سو ..... میں آجاؤں تیار ہو یا نہیں؟" اس نے اپنے کانوں اور ناک کو جھٹکا دیا۔ اپنے پپوٹوں کو چوڑا کر کے کھولا اور اِدھر اُدھر دیکھا مگر اس کا سراغ نہ ملا۔

اس نے پھر بڑے غور سے دیکھا تو صرف گردن کے فاصلے پر ہی گرگٹ بڑی چالاکی سے چُھپا ہوا تھا اور مشکل سے دکھائی دیتا تھا۔ اس

چھوٹی سی مخلوق کی چالاکی سے مغرور زرّافہ جھلّا اُٹھا۔ اس نے اپنی ناک کی ٹھوکر سے اس کو ہلا کر گرا دیا۔ جس سے گرگٹ کی آن کو ٹھوکر لگی۔ وہ تھوڑا سا زخمی بھی ہو گیا۔ توئیگا کا رشتے دار کھسیانی ہنسی سے بلند آواز میں بولا، "گرگٹ مجھ سے چُھپ نہیں سکتا۔ میں اس سے مختلف ہوں۔ زرد کھال اور بھورے داغوں کی وجہ سے مجھے سورج مُکھی کے پودے تلے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ جہاں دھوپ اور سایہ ملتے ہیں وہ میرے چُھپنے کے لیے بہترین جگہیں ہیں، کیوں کہ میرے داغ تو سائے سے ملتے ہیں اور زرد کھال دھوپ سے۔ چیوی چیتا بھی مجھے وہاں نہیں پہچان سکتا۔ واقعی میں چیتے کی تیز نگاہ سے بھی پوشیدہ رہ سکتا ہوں۔"

ممباشیر وہاں سے بیس گز کے فاصلے پر بڑی بڑی گھاس میں چُھپا بیٹھا تھا۔ اُسے یہ بات بڑی ناگوار گزری۔ اس شیخی کو سُن کر کوّا چیوی چیتے کو اطلاع دینے کے لیے اُڑ گیا۔

نوجوان زرّافہ چُھپنے کے لیے ایک درخت کے پاس چلا گیا۔ جس کے پتّے اس کی کھال سے ملتے تھے اور چوٹی میں سے سر نکال کر رسیلے پتے کھانے لگا۔ اس نے اپنے آپ کو بہت محفوظ محسوس کیا اور دل میں کہنے لگا کہ میں تو چیتے کی آنکھوں سے بھی چُھپا ہوں۔ وہ اتنا خوش تھا کہ اسے یہ بھی نہ سوجھا کہ کوئی زردی مائل بھورا چیتا جنگل میں پھرتا پھراتا زرّافے کی طرف آ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں زرّافے کے سر پر جمی ہوئی تھیں جو درخت سے کئی فیٹ اُوپر اُبھرا ہوا تھا۔ چیوی چیتا سوچ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ زرّافے کا گوشت اس کے پیٹ کے لیے کتنا لذیذ ہو گا۔ زرّافہ درخت کے پتّے کھائے جا رہا تھا اور اپنے آپ کو بہت محفوظ سمجھ رہا تھا۔ چیوی اچانک جھپٹا۔ درخت میں ایک دھماکا ہوا پھر ایک طویل خاموشی چھا گئی۔ چیوی ایک بڑی چٹان پر لیٹا دھوپ سینک رہا تھا۔ اس کا پیٹ زرّافے کو کھا کر بھرا ہوا تھا۔ کوّے نے سے گرگٹ کی شکست کا حال سُن کر نیانی بندر سوچنے لگا کہ بولو گرگٹ کا یہ دعوا کہ میں زرّافے کی آنکھ سے چُھپ سکتا ہوں حماقت تھی۔

وہ بڑے اطمینان سے بلّی کی طرح خرخرایا۔ اور سمٹ کر دائیں پہلو پر ہو گیا۔ شکاری ایک گھنٹے سے بڑے درختوں کی جڑوں میں چُھپا بیٹھا تھا۔ اسے جو موقع ملا تو اس نے چیوی چیتے کے دل میں تیر اُتار دیا۔

نیانی بندر نے شکاری کو چیوی کی کھال اُتارتے دیکھا تو سر کھجا کر بولا، "آج جنگل میں کیسی عجیب بات ہو رہی ہے۔ گرگٹ زرّافے سے نہیں چُھپ سکا۔ زرّافہ چیتے سے نہیں چُھپ سکا۔ اور چیتا

شکاری سے نہیں چھپ سکا۔ شکاری کو چیتے کی کھال اُٹھائے گاؤں کی طرف جاتے دیکھ کر بیاتی بندر پریشانی میں بُڑبڑایا اور کہنے لگا کہ واقعی جو اپنے آپ کو محفوظ اور چھُپے ہوئے سمجھتے ہیں انھیں بہت سی آنکھیں دیکھ رہی ہوتی ہیں۔

انڈے کی اہمیت

شازیہ زماں، خیر پور میرس

انسان کی زندگی میں بعض اوقات انڈے کی اہمیت کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتی ہے۔ اکثر لوگ تو ایسے ہیں جن کی زندگی میں انڈے کبھی کبھی خود داخل ہو جاتے ہیں۔ ارے آپ حیران کیوں ہو رہے ہیں؟ بھئی ہم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں انڈے کی ہماری زندگی میں بہت اہمیت ہے۔

اب دیکھیے نا! امتحانوں کا نتیجہ آنے پر انڈا، تقریر کرنے کھڑے ہوں تو انڈے سے تواضع کھیل کے میدان میں انڈا۔

غرض یہ کہ آپ جس شعبے سے وابستہ ہوں گے آپ کو انڈے ہی انڈے ملیں گے۔

اب ہمیں ہی دیکھ لیجیے ایک دن اپنی ٹیچر کے گھر پہنچے کہ آپ ہمیں تقریری مقابلے میں حصّہ لینے کے لیے تیاری کروا دیجیے۔ پہلے تو انھوں نے ہمیں سر سے پیر تک دیکھا پھر گویا ہوئیں کہ پہلے وہ انڈے جمع کرلیں جو آپ نے امتحانوں میں نتیجے کی شکل میں حاصل کیے ہیں۔ پھر حاضرین کے انڈے جمع کیجیے۔ ہم ایک اور انڈا لے کر گھر واپس آگئے۔

اب ہم نے سوچنا شروع کر دیا کہ واقعی ہم ایسا کارنامہ ضرور انجام دیں جس میں انڈا نہ ملنے کی توقع ہو۔ بڑی سوچ بچار کے بعد ہم نے ہاکی ٹیم کی طرف ہجرت کی اور بہت بڑی سفارش کے بعد منتخب ہو گئے۔ کچھ دن ہمیں میچ کھیلنے کا آرڈر ملا۔ دوسرے دن ہمیں ہی نہیں بلکہ پوری ٹیم کو انڈے سے روشناس ہونا پڑا۔ یہی نہیں بلکہ تماشائیوں نے اتنے انڈے بھیجے کہ اب تو انڈے کے نام سے نفرت ہونے لگی ہے۔

مرغی کے ڈربے میں انڈا لینے گئے تو وہاں سے کبھی اپنے ماتھے پر گومڑے کی شکل میں انڈا لے آئے۔ بہرحال انڈا لے کر ڈربے سے نکلے تو انڈا ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا اور اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔ امّی نے اپنی اکلوتی مرغی کے اکلوتے انڈے کا یہ حشر دیکھا تو ہمیں مار مار کر انڈا بنا دیا۔

بھئی! اب تو مان جائیے کہ انڈے کی ہماری زندگی میں بہت اہمیت ہے۔ ویسے اگر ہم محنت کے ساتھ ساتھ کوشش کریں تو ہمیں انڈے لینے کی اتنی شدید ضرورت کبھی نہ پڑے۔

اپنی جہاز راں کمپنی

پی این ایس سی

کے

جہاز

سے مال بھیجیے

بروقت - محفوظ - باکفایت

پی۔ این۔ ایس۔ سی براعظموں کو ملاتی ہے۔ عالمی منڈیوں کو آپ کے قریب لے آتی ہے۔ آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل برآمد کنندگان اور درآمد کنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔

پی۔ این۔ ایس۔ سی قومی پرچم بردار۔ پیشہ ورانہ مہارت کا حامل جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

PNSC

پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ

PNSC 2 88 PID - Islamabad

PARAGON

قارئین کی عدالت

● خاص نمبر بہت پسند آیا۔ سرورق بھی ہمیشہ کی طرح بہترین تھا۔ جاگو جگاؤ (حکیم محمد سعید) اور پہلی بات (مسعود احمد برکاتی) رسالے کی جان ہیں۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ خاص طور پر انگوٹھی کا جن (نازیہ رمضان) اور بچا حسن (میرزا ادیب) بہت پسند آئیں۔ لطیفے بھی معیاری تھے۔ مجھے نونہال خریدنے کے لیے بہت دُور جانا پڑتا ہے۔ کیا کوئی ایسا طریقہ ہو سکتا ہے کہ ہر ماہ رسالہ وقت پر مجھے مل جائے اور مجھے اس پریشانی سے نجات ملے۔ محمد صدیق، ٹبہ سلطان پور

> میاں! دوسرا طریقہ ڈاک سے رسالہ بھیجنے کا ہوتا ہے، لیکن ہمارے ملک میں ڈاک کا کوئی بھروسا نہیں اس لیے آپ علم کی خاطر یہ تکلیف اُٹھا ہی لیا کریں۔

● اس شمارے کے تمام مضمون بہت اچھے تھے۔
حفیظ الرحمٰن، محمد احسن، لودھراں

● خاص نمبر توقعات پر پورا اُترا۔ یہ اپنی مثال آپ تھا۔ طاہر مسعود، گوجر خان

● خاص نمبر پڑھ کر بہت لطف آیا۔ "گلی ور کے تین حیرت انگیز سفر" سچ پر مبنی ہیں؟ صوبیہ گل، کراچی

> یہ ایک فرضی کہانی ہے۔

● خاص نمبر ایک گلستان کی مانند ہے جس کی ہر تحریر اپنی اپنی علاحدہ خوش بو بکھیرتی ہے۔ خاص نمبر کا اوّل سے لے کر آخر تک ایک ایک ورق عطر کی شیشی (بوتل) کی مانند ہے جو قاری کو اپنی طرف راغب کرتے ہیں۔
دلنواز خان، کھلابٹ ٹاؤن شپ

● میری دادی تو اس کے خیال کے پھول پڑھ کر بہت خوش ہوتی ہیں۔ سید عمران سعید

● خاص نمبر ایک یادگار نمبر ہے۔ دو ڈھائی سالوں تک نونہال کا سرورق حقیقی تصاویر سے سجا رہا اور اب پینٹنگ سرورق بہت دیکھنے میں آ رہا ہے۔ روبینہ فرید، کراچی

● نظم 'صبح کی آمد' نقل تھی۔ یہ اردو کی کتاب کی نظم ہے۔ صاحبزادہ یار محمد، کراچی

> یہ بچّوں کے عظیم شاعر اسمٰعیل میرٹھی کی نظم ہے، اس لیے اس کو نقل نہیں سمجھنا چاہیے۔

● قلمی دوستی جناب رؤف پاریکھ کی اچھی تحریر تھی۔
عبدالرشید اچکزئی، چمن

● اس دفعہ کا خاص نمبر واقعی خاص تھا۔ گلی ور کے تین حیرت انگیز سفر، دانہ دانہ (سید وسیم حسنی) اور انگوٹھی کا جن (نازیہ رمضان) بہترین کہانیاں تھیں۔

منیرہ مقبول خان، کراچی

● کہانیوں میں علامہ دانش کے سفرنامے سب سے زیادہ پسند آئے۔ محمد قدیم بیگ مغل، ٹنڈو جام

● خاص نمبر واقعی خاص نمبر تھا پڑھ کر مزہ آ گیا۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی خوب صورت باتوں سے مزین تھا۔ کہانیوں میں "اندھیر نگر" نمبر لے گئی۔
سمیع الحق قائم خانی، جھڈو

● جن لوگوں نے خاص نمبر تیار کرنے میں بڑی محنت سے مضامین لکھے میں ان سب کا دل سے بہت بہت شکریہ ادا کرتی ہوں۔ ارم واسطی، کراچی

● نونہال پسند آیا۔ اسد رحمان، ساہیوال

• نونہال ایک طرح سے میرا استاد ہے۔ اس دفعہ ساری کہانیاں اچھی تھیں۔ خاص کر گلی ور کے تین حیرت انگیز سفر۔
عمران جاوید عامی، لودھراں

• صفحہ نمبر ۱۹۳ پر (کہانی انگوٹھی کا جن) ایک لفظ "علاء الدین کا چراغ" لکھا ہوا تھا، جب کہ اس لفظ کو آپ "الہ دین کا چراغ" لکھتے ہیں۔ عمران الٰہی چوہان، بھیرہ

صحیح نام علاؤ الدین ہے جس کے معنی ہیں دین کی سر بلندی، شان و شوکت۔

• سچ انکل خاص نمبر بہترین تھا۔ ہر چیز اچھی تھی۔
سمیرہ خیال، کراچی

• کہانیاں سب اچھی تھیں۔ خاص کر جناب جوناتھن سوئفٹ کی کہانی گلی ور کے تین حیرت انگیز سفر جس کو جناب احمد خاں خلیل نے ترجمہ کیا تھا بہت ہی دل چسپ تھی۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح خوش بو بکھیرتا چلا گیا۔ اب کی دفعہ لطیفے خاصے مزے دار تھے۔
واجد علی زرگر، سانگھڑ

• خاص نمبر پہلے صفحے سے آخر صفحے تک بہت زیادہ پسند آیا۔ جے۔ آئی۔ ساغر، کراچی

• آٹوگراف بک کا تحفہ بہت پسند آیا۔
حنا سعید، کراچی

• خاص نمبر میں وہ سب کچھ تھا جو ہر کوئی چاہتا ہے۔ لاجواب تحریریں، مزے دار کہانیاں، چٹ پٹی نظمیں، غرض کہ ہر چیز ہی خاص نمبر ثابت ہوئی۔ محمد ایوب، حیدرآباد

• خاص نمبر اچھا لگا۔ لطیفے بھی مزے دار تھے۔
فاطمہ سعید، کراچی

• خاص نمبر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔
لبنیٰ ناز صابر، کراچی

• نونہال میں چھپنے والی ہر کہانی بہت مزے دار ہوتی ہے۔ اعجاز الیاس، کراچی

• خاص نمبر امیدوں سے بھی بڑھ کر پایا۔ آپ کی محنت کو داد دینے کو جی چاہ رہا ہے۔ مبارک باد قبول فرمائیے۔ سیرت پاک مختصر مختصر خوب ہے۔ محترم حکیم صاحب کا مضمون رستم زماں گاما متاثر کن تھا۔ حکیم صاحب ہر دفعہ خاص نمبر کے لیے کچھ وقت نکالتے ہیں یہ خوش کن بات ہے۔ خاص نمبر میں کم از کم تحفے کے صفحات تو زیادہ کر دیتے۔ روبوٹ کی دنیا نے معلومات میں اضافہ کیا۔ پڑھیے اور دیکھیے نیا اور دل چسپ سلسلہ ہے کیا ہی اچھا ہو کہ یہ سلسلہ مستقل ہو جائے۔ غلام حسین میمن، حیدرآباد

• گلی ور کے تین حیرت انگیز سفر بہت پسند آئے۔
ندیم نصیب شاہ، کراچی

• سرورق بے حد پسند آیا۔ اصغر علی شاہ، کراچی

• ہمدرد نونہال کے خاص نمبر نے تو پورے پاکستان کے نونہالوں کا دل موہ لیا۔ خاص نمبر میں سرورق سے لے کر اس شمارے کے مشکل الفاظ تک ساری معلومات، کہانیاں، مضامین، کارٹون، لطیفے، نظمیں، پہیلیاں، سائنسی مضامین سب ہی تو اچھے تھے۔ انجم نبی محمد، لطیف آباد

• حکیم محمد سعید نے اس بار تجارت کی اہمیت بتائی اور محنت اور ایمان داری سے اپنا رزق کمانے کی تلقین کی۔ پہلی بات سارے رسالے کا نچوڑ تھی۔ کہانیوں میں چچا حسن، چاندی کے پاؤں، کٹرک مل کے کارنامے اور انگوٹھی کا جن پسند آئیں۔ عجیب ظفر انوار کی مگر کتاب نہ ملی، سبق آموز تھی۔ سفید شیر کا بھوت سب سے زیادہ مزے دار تھی۔ عبد الوحید بلوچ کی کہانی پہلی اڑان نقل شدہ تھی۔ لطیفے اس بار نئے تھے پڑھ کر ہنسی آئی۔ معلومات عامہ بہت اچھا سلسلہ ہے۔ اس سے ہماری معلومات میں بے حد اضافہ ہوتا ہے۔ تن درستی پر جناب ڈاکٹر سید اسلم کا مضمون پسند آیا۔ سادہ الفاظ میں انھوں نے اپنا مفہوم بیان کیا ہے۔ راشدہ منصورہ، نواب شاہ

• دس روپے میں اتنا بڑا رسالہ، اچھی کہانیاں، خوب صورت مضامین اور نظمیں ہر رسالے میں نہیں ہوتیں۔ ملک جاوید اقبال، راول پنڈی

● میں آپ کو ایک نظم بھیجنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ نونہال میں شائع کر دیں گے؟
حافظ راشد منہاس، کراچی

ہمدرد نونہال اگست ۱۹۸۸ء کی پہلی بات میں ہم نے یہ اعلان کیا تھا کہ نونہال فی الحال نظمیں نہ بھیجیں۔

● نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے اور یہ واقعی ایک معیاری رسالہ ہے۔ ساجدہ سردار، راول پنڈی

● خاص نمبر حسبِ توقع اور حسبِ سابق معیاری اور اعلا تھا۔ کہانیوں میں اندھیر نگر اور انگوٹھی کا جن پسند آئیں۔ لطیفے مزے دار تھے۔ روبوٹ کی کہانی معلوماتی کہانی تھی۔ کنور رضا خان قائم خانی، نواب شاہ

● جولائی کا نونہال پڑھا مزہ آگیا۔ واقعی نونہال کا خاص نمبر، خاص نمبر تھا۔ مظہر علی، کراچی

● اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر میری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیے۔ اشرف لیاری، کراچی

● گامار ستم زماں (حکیم محمد سعید) شروع تو کیجیے (مسعود احمد برکاتی) اور رولی پولی کی واپسی (محترمہ شہناز) بہت پسند آئیں۔ احسن علی عباس بنجو، کراچی

● میرے بھائی محمد علی خاں نے اردو نونہال ہی سے ٹھیک کی ہے۔ خاص نمبر میں اس دفعہ تمام کہانیاں لاجواب تھیں۔ سیرت پاک کو پڑھ کر دل کو بہت خوشی ہوئی۔ باقی نظمیں سب اچھی تھیں۔ گامار ستم زماں، دانہ دانہ، کاغذی رُپیہ، چاندی کے پاؤں وغیرہ بے حد اچھی تحریریں تھیں۔
محمد اعجاز خان بابر زئی، جامشورو

● آپ براہِ مہربانی سائنس کی جدید ایجادات یا ترقی پر ایک مضمون شائع کریں۔
محمد منیر، محمد جمال، سکھر

● مجھے اس شمارے میں قارئین کی عدالت کے علاوہ سب کچھ پسند آیا۔ عروسہ اقبال، کوٹلی لوہاراں

● خاص نمبر بہت اچھا تھا۔ خاص کر رولی پولی کی واپسی اور سلوک۔ شہناز سولنگی، کراچی

● خاص نمبر اس دفعہ کافی معلومات لے کر آیا۔ اسی لیے میں نے دو سال نامے خریدے۔
محمد خالد صدیق رانا، کراچی

● خاص نمبر نے اپنا علاحدہ مقام حاصل کیا ہے۔ فی الحقیقت میرا پسندیدہ رسالہ نونہال ایک ایسے سمندر کی مانند ہے جس میں محنت، لگن اور جوش کی موجیں اُڑتی ہیں۔ اس میں روشنی کا ایک ایسا مینار ہے جس میں سے پھوٹتی روشنی یہ کہتی ہوتی ہے کہ جاگو جگاؤ..... جاگو..... تاکہ راستہ بھٹک نہ جاؤ اور جو بھٹک گئے ہیں ان کے لیے راہ نما بن جاؤ۔ سید محمد علی رضوی، حیدر آباد

● سرورق کی کہانی رولی پولی کی واپسی، گلیور کے تین حیرت انگیز سفر اور نظم دلو کی جھنکار خاص طور پر بہت شان دار تھی۔ محمد عدنان خان، کراچی

● اس دفعہ خاص نمبر ضرورت سے بہت زیادہ دل چسپ تھا۔ محترم مسعود احمد برکاتی صاحب کی پہلی بات بھی خاص مرچ مسالوں والی تھی۔ اس دفعہ چاندی کے پاؤں، رولی پولی کی واپسی، روبوٹ کی کہانی اور انگوٹھی کا جن کام یاب رہی۔
عمران توشیر، جڑانوالہ

● چاندی کا پاؤں، سُنی سنائی اور کاغذی رُپیہ بہترین کہانیاں تھیں۔ ثمرین زیدی، کراچی

● خاص نمبر کا سرورق بہت اچھا تھا۔
آصف بشیر، کراچی

● میں پہلی بار اس شمع (ہمدرد نونہال) کا پروانہ بنا ہوں۔ اس شمع کی نور افروز روشنی "جاگو جگاؤ" ہے جس نے ہمیں واقعی جگا دیا۔ کامران بخاری، کوہاٹ

● کارٹون کی دل چسپی دن بدن کم ہوتی جارہی ہے۔
محمد یاسین لانگاہ، کراچی

● جولائی کا خاص نمبر جتنا اچھا خواب میں دیکھا اُس سے بڑھ کر اچھا نکلا۔ حاجی عرفان بدر، کراچی

● گلی ڈور کے تین حیرت انگیز سفر، مسکراتے رہو اور انگوٹھی کا جن بہت اچھی تھیں۔ محمد راشد قریشی، کراچی

● کہانیوں میں کرِک مل کے کارنامے (علی اسد) اندھیر نگر (معراج) علامہ دانش کے سفرنامے اور رولی پولی کی واپسی پسند آئیں۔ عینی بے بی، مصطفےٰ بلال، فاروق بلوچ، مرتضیٰ جلال، مجتبےٰ جلال، بستی نادر علی شاہ

● نونہال واحد رسالہ ہے جو معلومات کے ساتھ ساتھ تفریح بھی فراہم کرتا ہے۔ ثوبیہ اظہر، کراچی

● سرورق بہت خوب صورت تھا اور حسین آٹو گراف بک نے تو رسالے کو چار چاند لگا دیے تھے۔

طاہر محمود ہاشمی، خان پور

● لطیفوں میں سب ہی لطیفے لاجواب تھے۔

نجمہ شاہین، عمران اور بینی جمیل، کراچی

● نونہال میں اتنی کشش ہے کہ چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا کہانیوں میں پہلی اُڑان، اندھیری کوٹھری (جاوید عبدالکریم) اور جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بے حد پسند آیا۔ میری صلاح یہ ہے کہ نونہال میں قسط وار ناول شائع کیا جائے۔

کو بھر ظفر کوبھر، صادق آباد

● نونہال ادیب میں گاما نجومی (ذوالفقار علی) نقل شدہ تھی کہ [illegible] نقل شدہ تھی۔

سہیل احمد خان، کراچی

● جولائی کا شمارہ بہت اچھا تھا۔

سیف الرحمٰن سیف سومرو

● قلمی دوستی، سنی سنائی اور ریتی کے دو کھیل کے علاوہ تمام کہانیاں نامعقول لگیں۔ لیکن خیر گزارا ہو سکتا تھا جو کہ ہو بھی گیا۔ سفید شیر کا بھوت اتنا خاص نہیں لگا کیوں کہ رزلٹ کا پہلے ہی اندازہ ہو گیا اور سسپنس بالکل ختم ہو گیا تھا۔ شازیہ مجید، کراچی

● جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول وہ سلسلے ہیں جنھیں پڑھے بغیر چین نہیں آتا۔ عباس علی کھوکھر، کراچی

● سچی بات تو یہ ہے کہ آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ نونہال کا خاص نمبر باقی تمام رسالوں کے خاص نمبروں پر بازی لے گیا ہے۔ رجب علی بیگ، اٹک

● جولائی کا شمارہ پڑھا۔ کیا بتائیں اتنا پسند آیا اتنا پسند آیا کہ ہم تو دعائیں دے رہے ہیں حکیم محمد سعید صاحب کو جنھوں نے یہ اتنا اچھا رسالہ ہمارے لیے نکالا ہے۔

محمد رمضان ابڑو، ٹنڈو محمد خان

● میری گزارش ہے کہ آپ ہر مہینے ایسا ہی رسالہ شائع کریں اور اس کی قیمت بھی دس رُپے ہو۔

شہباز احمد عثمانی، عامر احمد عثمانی، عظیم خان، نعیم میاں اور ندیم سلیم، کراچی

● میں نے آپ کے رسالے کی جتنی تعریف اپنے دوستوں سے سُنی تھی وہ سچ ثابت ہوئی۔ پڑھا تو بہت مزہ آیا۔ اتنا دل چسپ رسالہ میں نے کبھی بھی نہیں پڑھا۔

ناصر علی جعفری، محلہ پورہ سیالکوٹ

● اس دفعہ کا خاص نمبر گزشتہ شائع ہونے والے دوسرے خاص نمبروں سے بازی لے گیا۔

سحر یہ درانی، راولپنڈی

● لطیفے بہت دل چسپ تھے۔

امیر رحمان جدون، کراچی

● حضورؐ کی سیرت پاک پڑھ کر دل کو بڑی خوشی ہوئی۔

محمد عصمت اللہ کوبھر، صادق آباد

● تن درستی اور گاما بڑے اچھے مضمون تھے۔

امیر محمد، جیکب آباد

● جاگو جگاؤ نونہال کی جان ہے۔ پہلی بات نونہال کا نمک ہے۔ جس طرح نمک کے بغیر سالن پھیکا پھیکا لگتا ہے، اسی طرح پہلی بات کے بغیر نونہال پھیکا پھیکا لگتا ہے۔ خیال کے پھول کا انتخاب بہت اچھا تھا۔

غزالہ انجم، کراچی

● پہلی بار نونہال خریدا اچھا لگا۔ محمد اقبال کلو، لیہ

● سفید شبیر کا بھوت زیادہ دل چسپ نہ تھا۔
نجم الزماں، کراچی

● کہانیوں میں چاندی کے پاؤں، اندھیری کوٹھری، اندھیر نگر، پہلی اڑان اور کڑک مل کے کارنامے بہت پسند آئیں اور نظمیں اور لطیفے بھی بہت پسند آئے۔
محمد ارشد الیاس، ہیلر ہالٹ

● پہلی بات میں دل نشین انداز میں خاص نمبر کا تعارف ہمارے لیے تو خاص تحفہ تھا۔ لیکن ایک اور تحفہ بھی تو ہے آٹو گراف بک اور قیمت بھی تین سو سے زائد صفحات کی صرف دس روپے۔ جاوید اقبال، لاہور

● خاص نمبر پڑھ کر مزہ آگیا۔ کہانیوں میں گلی ڈر کے تین کارنامے بہت پسند آئی۔ نظموں میں "ڈیو کی بنکار" کا تو جواب ہی نہیں۔ صدف خاں، کراچی

● بہترین کہانیاں روبی پوبی کی واپسی (شہناز پروین) کاغذی روپیہ (پطرس بخاری) اور کڑک مل کے کارنامے (علی اسد) تھیں۔ ارشد محمود، ملک وال

● کاغذی روپیہ بہت اچھا لگا۔ مطیع الرحمٰن، ملک وال

● سیرت پاک مختصر مختصر، چاندی کے پاؤں، چچا حسن، اندھیری کوٹھری اور انگوٹھی کا جن بہت پسند آئیں۔
سید وقار علی، حیدر آباد

● صرف ایک ہی خاص بات نظر آئی کہ کہانیوں کی بھرمار تھی اور نونہال ادیبوں کی تحریریں پرانے لکھنے والوں کے ساتھ شائع کی گئیں۔ نونہال کا معیار اب پہلے جیسا نہیں رہا۔ نہ تو جناب حکیم محمد سعید صاحب کی بچپن کی شرارتیں تھیں اور نہ ہی کوئی اچھی دل چسپ تحریر تھی۔ البتہ کہانیاں تھوڑی بہت اچھی تھیں۔ لطیفے مزے دار تھے۔ سعدیہ قریشی، کراچی

● کہانیوں میں روبی پوبی کی واپسی، سلوک، لطیفے اور کارٹون بہت پسند آئے۔
ایاز حارث، تحسین اور سبین، بدین

● خاص نمبر میں جاگو جگاؤ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ تمام کہانیاں، نظمیں اور مضامین لاجواب تھے۔
حافظ خضر حیات فرو کہ، سرگودھا

● میں نے بچوں کے مشہور رسالوں کے تمام خاص نمبر پڑھے ہیں لیکن جو شان نونہال کے مقدر میں ہے وہ کسی دوسرے رسالے کے مقدر میں نہیں ہے۔ اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر آپ کو اور نونہال کے دیگر معاونین اور جناب حکیم محمد سعید صاحب کو بہت بہت مبارک باد۔ کہانیوں میں پہلی اڑان اور سنی سنائی بہت اچھی تھیں۔
سید نفیس الحسن رضوی، جھنگ صدر

● سرورق اتنا پرکشش اور دیدہ زیب ہے کہ جناب مشیر صدیقی کو داد دینے کو دل چاہ رہا ہے۔ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اپنے اندر اتنی نصیحت آمیز باتیں سموئے ہوئے تھا کہ دل کے برسوں سے بند دریچے کھلتے چلے گئے۔ کہانیوں میں چچا حسن (مرزا ادیب) کاغذی روپیہ (پطرس بخاری) اور علامہ دانش کے سفرنامے سفید شبیر کا بھوت (معراج) از حد پسند آئیں۔ سید سعود حسین ابدالی، کراچی

● اخبار نونہال میں شائع ہونے والی چیزیں کسی طرح بھی صحیح یا سچی نہیں ہو سکتیں سوائے ان چیزوں کے جن کا کوئی ثبوت ہو۔ اس طرح کی من گھڑت چیزیں شائع مت کیا کریں۔ اس سے نونہال کا معیار مجروح ہوتا ہے۔
ریحان خاں

● خاص نمبر واقعی خاص تھا۔ البتہ سرورق کوئی خاص نہ تھا۔ سریش کمار بی ماکھی جانی، گمبٹ شریف

● تمام کہانیاں، شگوفے، معلومات اور اقوال زریں خوب سے خوب تر ہیں۔ غرض یہ خاص نمبر ایک شاہکار تھا۔
عابد رضا ناز، گوجرانوالہ

● جاگو جگاؤ پسند آیا۔ لطیفے مزے دار تھے۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ نور احمد سمون، ٹنڈو محمد خان

● ہر ایک چیز اچھی تھی۔ کس کس کا نام لوں۔
محمد ادریس، ڈیرہ اسماعیل خاں

ان نونہالوں کے نام جنھوں نے ہمیں بڑے اچھے اچھے خط لکھے، لیکن جگہ کی کمی کے باعث اُن کے صرف نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

کراچی :۔ ظہیر الدین، محمد جمیل لودھی، محمد یوسف، فہمیدہ چودہری، سید رضا امام نقوی، حفصہ خلیل، فوزیہ محمد ایوب، فیبیہ فرید، مرزا عارف عقیل، سید عمران احمد، سید فخر الحسن زیدی، عمران، عاصم، عمارہ، عمر، افشین ناز، حسن مہدی خراسانی، محمد یوسف بلوچ، بدر منیرہ، ظفر عباس، بینش ناز، سلیمان احسن، مہر علی، میر مہدی علی، مرزا جواد ضمیر، مناظر حسین، اکرم نذر محمد، سید عامر علی، زہرا اقبال، عظمیٰ سہیل، محمد شوکت اللہ صدیقی، محمد علی، محمد سلیم، فروزنہ اختر انصاری، اشفاق احمد انصاری، ارشد اسلام، رضوانہ نسیم، ندیم احمد، اسماء سعید، تو ید حمید، ہما صدیقی، محمد نوید احمد، افشین حمید، سید اصغر حسین کوثر، محمود محمد اشرف، الطاف رضا، شازیہ فرحین، راجا محمد سلیم، سمعیہ اختر، محمد یونس بروہی، عبد الباقی بروہی، سمیرا سراج، عنبرین سعید، شمع شفیق، شاہد شفیق، اسماء شفیق، زاہد شفیق، تاج الدین مندوخیل، عظمیٰ تسنیم، حامد محمود، نازیہ، سید زین العابدین زیدی، الیاس جبّار، مبشر علی، ادریس علی فاروقی، منصور حسین جانگڑا، الماس محبوب، شکیلہ ناز، ایم عرفان سہیل، نیلوفر انجم، نعمان احمد بشیر، عفت غنی۔

حیدر آباد :۔ حمیرا عبد الرزاق، خانزادہ محمد عامر، محمد انور خانزادہ، محمد ناصر، سیدہ بانو رضوی، سیدہ نور فاطمہ رضوی، سیدہ شفیق فاطمہ رضوی، فرحت حسین، فرزانہ تاج، ذیشان تاج، عمر خان تاج، جوزف تاج، عائشہ محمد عیسیٰ، منصور حسین قریشی، نوشین غزل، روبینہ غزل، تو بن غزل، افشین غزل، ثمینہ غزل۔

نواب شاہ :۔ عنبر حیات طاہر، محمد سعید خاں، رابعہ کنول جبار، مسرت ناز، طفیل احمد جلبانی، خالدہ سومرو، محمد ابراہیم۔ کشمور :۔ رجب شعبان کلوڑ۔ چیچہ وطنی :۔ محمد طاہر۔ ہری پور :۔ ساجدہ سرور، جمیل خان، جمیلہ، خدیجہ سرور۔ جدون :۔ ماسٹر اشتیاق۔ بوچھیری :۔ پرنس محمد حنیف خانزادہ۔ بھکر :۔ قدسیہ یاسمین۔

ملتان :۔ عائشہ تبسم، سائرہ رحمانی، محمد ریحان قریشی، سکرنڈ :۔ راشد اکبر مگسی، ندیم احمد خانزادہ۔ گجرات :۔ سید وسیم رضا۔ ٹنڈو جام :۔ عقیلہ اختر، عدیلہ اختر۔ لاڑکانہ :۔ جاوید رضا مورایو۔ جہلم :۔ عظمیٰ ناہید، شہیلا نورین۔ لاڑکانہ :۔ سید محمد اطہر۔ لاہور :۔ شائستہ ستار، زائرہ رضوی رجیوانی مکران :۔ محمد اصغر ساجد بلوچ، نور الھدیٰ مہر، نوران اسلام سحر۔ جیکب آباد :۔ شاہدہ عبد محمد لاشاری۔ سکھر :۔ دردانہ بنت غازی، جمیل احمد۔ اسلام آباد :۔ عظمیٰ رحمان۔ بہاول نگر :۔ کاشف نیاز۔ میرپور خاص :۔ شبانہ یوسفانی، فرحین ذاکر حسین، عنبرین ذاکر حسین۔ روہڑی :۔ خالد حمیدی، حافظ غلام نازک حسین، محمد اسماعیل۔ شکار پور :۔ غلام مرتضیٰ سومرو۔ صفیہ رحمان۔ بہاول پور :۔ منیر احمد، انیلا کوثر، انیس الرحمان ربانی۔ جھڈو :۔ محمد عمر، معین عقیل، شاہد لقمان ناگوری۔ میانوالی : محمد شریف احمد، محمد ہارون رشید۔ جھنگ شاہی :۔ بشارت الیاس جو کھیہ۔ ٹنڈو محمد خان :۔ سید زوار حسین نقوی۔ سیال کوٹ :۔ زینب وسیم۔ بیلہ :۔ ادم پڑش بھاٹیا۔ اوچ شریف :۔ مختیار احمد انجم پروانہ۔ منڈی بہاء الدین :۔ محمد حسن رضا گوندل۔ شہداد پور :۔ کنیز فاطمہ مغل۔ ہنگلا کینٹ :۔ مہر النساء۔ خیرپور میرس :۔ نیک محمد، بشیر احمد۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ :۔ عدیلہ کیانی۔ ننکانہ صاحب :۔ محمد اکرم سیالوی۔ بنگور :۔ غلام فاروق شاہوانی۔ جھنگ صدر :۔ فیصل احمد عباسی۔ نوکوٹ :۔ عمران لیاقت قائم خانی۔ دولت پور صفن :۔ سلمیٰ ثناء اللہ، کوثر نصر اللہ خان، گلشن غفور۔ پیلاں :۔ مقبول احمد قریشی، حبیب اللہ فانی۔ تربیلا ڈیم :۔ فرحانہ عثمان۔ کالا باغ :۔ عطاء اللہ خان نیازی۔ تربت :۔ اصغر خان۔ پشاور صدر :۔ گل شیر علی سنی۔ مردان :۔ عبد الحیٔ۔ دادو :۔ الطاف احمد قریشی۔ لادہ :۔ حامد علی شاہد۔ وزیر ڈھنڈ :۔ عالمگیر آفریدی جدون۔

سلسلہ ۲۶۷

معلوماتِ عامہ کے جوابات

۱۔ دنیا کا بلند ترین ریلوے اسٹیشن چلی میں واقع ہے جو سطح سمندر سے ۴۸۲۱ میٹر (۱۵۸۴۳ فیٹ) بلند ہے۔ دوسرا اسٹیشن پیرس میں واقع ہے جو سطح سمندر سے ۴۸۱۸ میٹر (۱۵۸۰۶ فیٹ) بلند ہے۔

۲۔ مرحوم شاہ فیصل اپنے والد کے دوسرے بیٹے تھے۔

۳۔ کاشغر ایشیا کا ایک مشہور و معروف شہر ہے۔ یہ چین میں واقع ہے۔

۴۔ روم کے بادشاہوں کو توقیصر کہا جاتا تھا۔ فارس (ایران) کے ساسانی دور کے بادشاہوں کو کسریٰ کہا جاتا تھا۔

۵۔ مغربی افریقہ کا ملک گیمبیا ۱۸۔ فروری ۱۹۶۵ء کو آزاد ہوا۔

۶۔ میر انیس اردو کے ایک مرثیہ گو شاعر تھے۔ آپ کے والد کا نام تو میر مستحسن خلیق تھا اور آپ کے دادا کا نام میر حسن دہلوی تھا۔

۷۔ حیدر آباد دکن کے آصفیہ خاندان کے آخری نواب کا نام میر عثمان علی خان تھا۔

۸۔ ایران کا قومی کھیل پولو ہے۔

۹۔ تھائی لینڈ کا پرانا نام سیام ہے اور استنبول کا پرانا نام قسطنطنیہ ہے۔ لینن گراڈ کا پرانا نام پٹرو گراڈ ہے۔

۱۰۔ جمہوریہ چین کے پہلے صدر کا نام سن یات سین تھا۔

۱۱۔ جرمنی کا ڈکٹیٹر ہٹلر ۱۹۳۳ء میں جرمنی کا چانسلر بنا تھا۔

۱۲۔ مرزا غالب کے والد کا نام مرزا عبداللہ بیگ خاں تھا۔

۱۳۔ مشہور ادیب ابن انشا کا اصل نام شیر محمد خان تھا۔

۱۴۔ دنیا کا سب سے گہرا سمندر بحیرۂ قلزم ہے۔

۱۵۔ چاند پر اُترنے والی سب سے پہلی انسان بردار چاند گاڑی کا نام ایگل تھا۔

پندرہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی
عنبرین گلزار علی
ولی محمد
قبیبہ فرید
سید حسن نقوی
محمد زبیر شاہد
زیب رضا
محمد عمیر شاہد
سلمان احمد شیخ
یاسر فیروز خان
مہتاب خراسانی
ثروت آرا خراسانی
شہاب خراسانی
خواجہ مدین احمد
خواجہ متین احمد
سید نظیر مصطفیٰ جعفری جارچوی
سید سجاد سیدی جارچوی
شاداب زہرہ علوی
نوید ظفر انوار
ثمرین کاظمی
مہوش کاظمی
سارہ کاظمی

سانگھڑ
غلام انور نرجان
فرید احمد قریشی
محمد اقبال رندھاوا
غلام نبی منصوری
ندیم عمر یوسف زئی
غلام مصطفیٰ الغاری بلوچ
ایم خالد شہزاد
عاجز عبدالرحمٰن رند
لال چند ایم پی
محمد نعیم یوسف زئی
جی اے راجیش
محمد اشفاق بھٹی
بے بس راجیش کھنہ
غلام رسول پارس
محمد امین سیف الملوک
اعجاز احمد بٹ

سنجھورو
محمد طاہر آرائیں
عاشق حسین نازش

خیرپور میرس
فیاض احمد سومرو
قدیر محمد صدیقی
صغیر احمد صدیقی
توقیر محمد صدیقی
شازد صدیقی

نواب شاہ
ساجدہ محمد
محسن رجب علی
صدیقہ محمد
انیلا رجب علی
فرزانہ انجم
شبیر حسن رجب علی
انیلا امتیاز
ماہرہ عبدالحسین
یاسین رجب علی
سکینہ امیر علی

مختلف شہروں سے
محمد یونس سنی، بورے والا
نصراللہ خان، راول پنڈی
سعید احمد، اسلام آباد
تجمل الیاس، لاہور

پندرہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصویریں

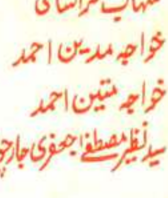
خالد حسین، خیرپور میرس

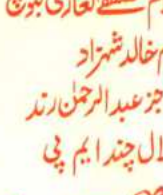
محمد یوسف رفیق، کراچی

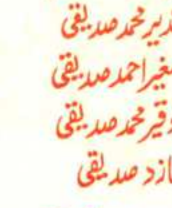
محمد خالد شہاب، مقام نامعلوم

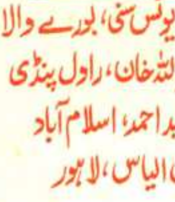
فہیم الرحمٰن، ملتان

سلیم سنز علی راجوانی ۔ سکھر

شاہد نذیر آرائیں ۔ سانگھڑ

سید عون رضا نقوی، کراچی

سید مطاہر احمد رضوی، کراچی

چودہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی
محمد ریاض الدین قریشی
ظفر حسین
انوار حسین
شارق شمیم
خالد اقبال صدیقی

لاہور
گوہر اقبال
زائرہ رضوی
فقیہہ رضوی

حیدر آباد
سید محبوب حسین قاسمی
سید علی ابرار

دولت پور
خانزادہ مبشر اقبال

خیر پور میرس
ظفر اللہ شیخ

ملتان
فیصل الرحمٰن
آصف رفیق، مقام نامعلوم

شاعر کی حاضر جوابی

مغل بادشاہ شہاب الدین جب تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنا لقب شاہجہاں اختیار کیا۔ شاہِ ایران کو اس لقب پر اعتراض ہوا اور اس نے شاہجہان کو لکھا کہ آپ تو ہند کے بادشاہ ہیں ہند کو آپ نے جہاں کس طرح تصور کر لیا ہے۔ اس معقول اعتراض پر بادشاہ اور دربار کے لوگ پریشان ہو گئے۔ درباری شاعر ابو طالب کلیم نے اس پریشانی کو یوں دور کر دیا۔

ہند و جہاں زِ روئے عدد چوں برابر است
بُر ما خطابِ شاہجہاں زاں مسلّم است

حسابِ ابجد کے قاعدے سے، ہند اور جہاں ہم عدد ہوتے ہیں دونوں کے عدد ۵۹ ہوتے ہیں۔ شاہجہاں نے اس نکتے کی تعریف کی اور کلیم کو انعام سے مالا مال کر دیا۔

مرسلہ: شاہ احمد عطا عرف خرم، شمالی کراچی

اس شمارے کے مشکل الفاظ

سَحَر : سَ حَ رْ — صبح سے ذرا پہلے کا وقت۔

سِحر : سِ حْ رْ — جادو، ٹونا۔

دندان شکن جواب : دَنْ داں شِ کَنْ جَوَاب — ایسا جواب جس کا جواب نہ بن پڑے، منھ توڑ جواب۔

وافر : وَ ا فِر — بہت زیادہ، گھنا، افراط سے۔

تقدّس : تَ قَدْ دُس — پاکی، پرہیزگاری۔

معمار : مِعْ مَا ر — عمارت بنانے والا، راج۔

شادابی : شَا دَ ا بی — سرسبزی، تروتازگی، سیرابی۔

شادماں : شَا دْ مَا ں — خوش و خرم

پاسباں : پَا س بَاں — پہرے دار، محافظ، نگہ بان، رکھوالا۔

کھنک : کَھ نَک — بجنے کی آواز، روپے کی آواز، گانے والے کی اچھی آواز۔

طُرّۂ امتیاز : طُرْ رَ ۂ اِمْ تِ یَاز — عزت کا نشان، اعزاز۔

جیالے : جِ یا لے — دلیر، بہادر، جی دار

باڑھ۔باڑ : باڑھ ۔ باڑ — حد، کنارہ، دھار، قطار، ایک دم بہت سی گولیاں چلنا۔

سعادت مند : سَ عَادَت مَنْد — نیک بخت، وفادار، خدمت گزار، فرماں بردار۔

ہڑبونگ : ہُڑ بوْ نگ — شور، افراتفری، شرارت۔

بجز : بَہ جُز — اس کے سوا، اس کے بغیر۔

کان : کَا ن — وہ جگہ جہاں سے نمک لوہا وغیرہ نکالتے ہیں، سُننے کا عُضو، چارپائی کی اینٹھ، کپڑے کا ایک کونا بڑا ایک چھوٹا، ایک زیور کا نام۔

پارسا : پَا رْ سَا — متقی، پرہیزگار، نیک۔

تمیز : تَ مِیز — پہچان، فرق، جانچ، عقل، ہوش، ادب۔

ہویدا : ہُ وَ یدا — ظاہر، عیاں، نمودار۔

طُغرا : طُغْ رَ ا — نشان، علامت، وہ خط جس میں القاب اور بادشاہوں کے نام اور مہروں پر عبارتیں لکھی جاتی ہیں۔

نونہالانِ وطن کی تن درستی کا ایک اور نکتہ!

اچھی صحت کا ایک نکتہ یہ ہے کہ مسوڑھے صحت مند ہوں تاکہ دانت مضبوط ہوں۔ دانت صاف ہوں تاکہ وہ موتیوں کی طرح چمکیں۔

تن درستی کا ایک اور نکتہ یہ ہے کہ ہر دن صبح اٹھتے ہی اور ہر رات سونے سے پہلے نونہال ٹوتھ پیسٹ سے دانتوں کو صاف کریں۔

سونف، پودینہ سے بنا ہوا، اور گلِ آب میں بسا ہوا۔

ہمدرد
نونہال ٹوتھ پیسٹ
نازک دانتوں کے لیے نازک ٹوتھ پیسٹ

انسان دوست، جہاں دوست
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

لیور برادرز کا
بلو بینڈ
مارجرین
اب اور بھی مزیدار !
Blue Band
MARGARINE
لیور برادرز کا
بلو بینڈ مارجرین
لذت ہی لذت ـ توانائی ہی توانائی